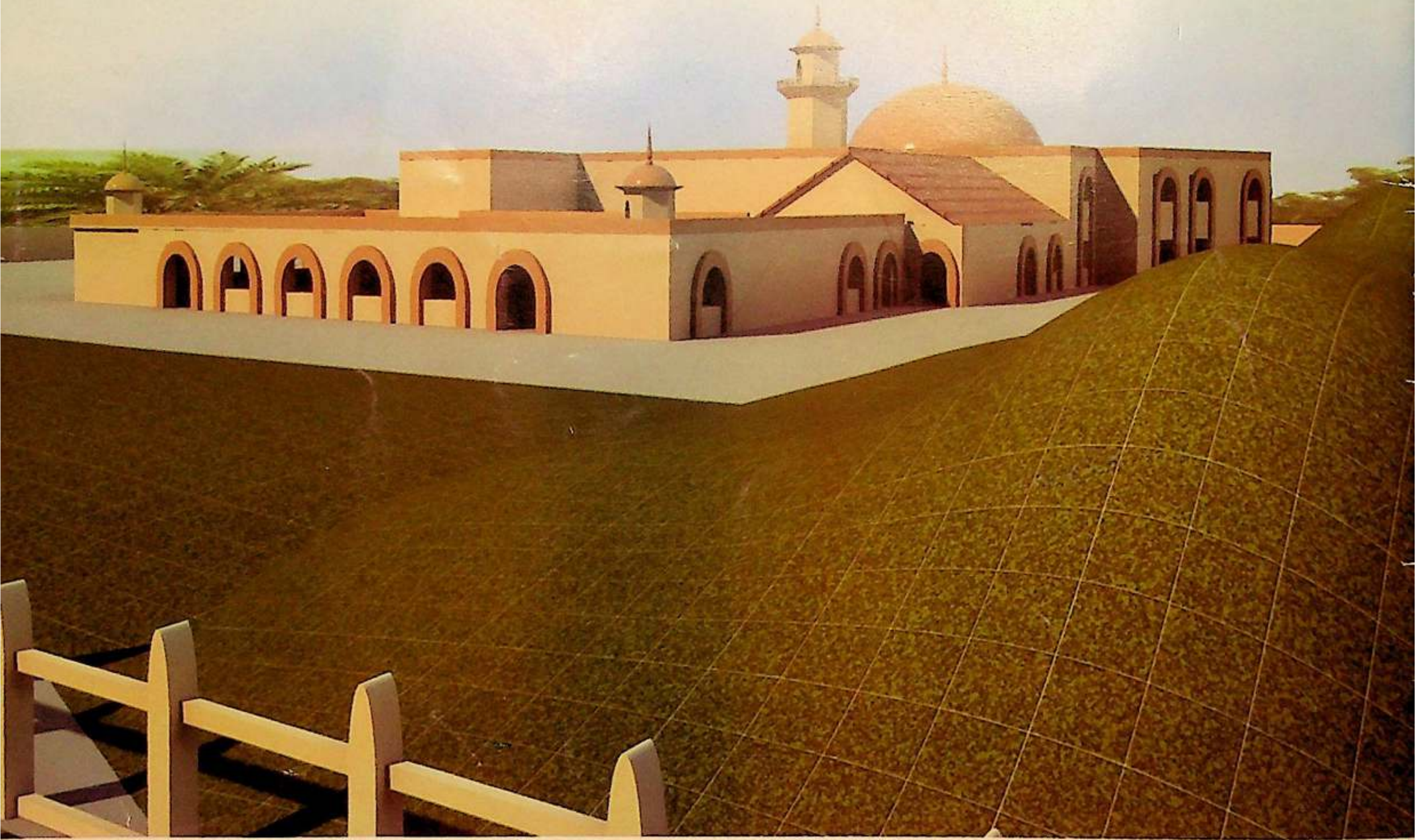
مجلس انصاراللہ یو.کے. کا علمی تعلیمی و تربیتی مجلہ

انصارالدین

نبوت،فتح - 1389 ہجری شمسی   جلد 7 ، شمارہ نمبر 6   نومبر،دسمبر 2010ء



مسجد دارلامان (مانچسٹر،یوکے)



Alam-e-Inaami Dinner Ceremony

انصار الدین

جلد 7 نمبر 6 نومبر تا دسمبر 2010ء

فہرست مضامین

= اداریہ 2

= درس القرآن 3

= حدیث النبی ﷺ 4

= کلام الامام 5

= حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا انصار اللہ کے سالانہ اجتماع 2010ء سے روح پرور خطاب 6

= میثاق مدینہ 14

= حضرت حکیم عبدالصمد احمد صاحبؓ 20

= انصار ڈائجسٹ 23

انصار اللہ کا عہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

صدر مجلس انصار اللہ: چودھری وسیم احمد

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد

مدیر (اردو): محمود احمد ملک

نائبین: نوید احمد، حبیب الرّحمٰن غوری

مدیر (انگریزی): احد بھنو

نائب مدیر: عمر احمد

مینیجر: محمود علی مرزا

ترسیل: فیاض احمد ملھی (انچارج)

زاھد احمد باجوہ، شہباز احمد، ارشد محمود،

ادریس احمد بٹر، محمد اختر، عبدالواحد

کیا آپ!!

سیدنا حضرت امیر المومنین

خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کی بابرکت تحریک برائے ادائیگی دو نفل

پر عمل کررہے ہیں؟

اداریہ

توہین رسالت

توہینِ رسالت کا موضوع اگرچہ کئی مرتبہ مختلف مواقع پر زیرِ بحث رہا ہے لیکن زیادہ شدّت کے ساتھ بدنامِ زمانہ ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق کے دَور میں زیرِ بحث آیا اور بالآخر اُس نے توہینِ رسالت کے خلاف ایک آرڈیننس بھی جاری کر دیا۔ اُس وقت کے نام نہاد علماء نے بھرپور طریق سے ضیاء الحق کا ساتھ دیا اور اس طرح سے اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل بھی کی۔ چنانچہ اس میں کوئی بھی شک نہیں ہے کہ اس آرڈیننس کے پیچھے احمدیت دشمنی کے عوامل کارفرما تھے۔ کیونکہ اس قانون کی رو سے پاکستان بھر میں احمدیوں کے خلاف بے شمار جھوٹے مقدمات درج کئے گئے اور انہیں اذیت کا نشانہ بنایا گیا اگرچہ بعض دیگر افراد بھی اِس قانون کے ذریعہ سے انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنتے رہے۔ سلمان رشدی کی نہایت دلآزار کتاب کی اشاعت کے بعد دنیا بھر میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی طرف سے احتجاج ہوا، ایران کے خمینی نے توقتل کا فتویٰ بھی جاری کر دیا۔ اب کچھ عرصہ سے پاکستان میں توہین رسالت کا موضوع پھر سے زیرِ بحث ہے اور مسلمان علماء اس مسئلہ پر میڈیا پر بحث کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ سب نام نہاد علماء اس بات پر مُصر ہیں کہ اسلام کی تعلیم کی رو سے یہ واجب ہے کہ جو کوئی بھی توہین رسالت کا مرتکب ہو اسے قتل کر دیا جائے مگر حیرت کی بات ہے کہ کوئی عالم بھی جواز کے طور پر قرآنِ کریم کی ایک آیت بھی پیش نہیں کر سکتا جس میں ایسی تعلیم کا ذکر کیا گیا ہو۔ قرآنِ کریم کے بعد سنّتِ رسول ﷺ یا حدیث سے بھی کوئی مثال پیش نہیں کی جاتی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ توہین رسالت کے مرتکب شخص کو کوئی انسان یا کوئی ادارہ سزا دینے کا مختار ہے۔ بعض علماء اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جو انسان توہینِ رسالت کا مرتکب ہوتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس لئے اپنے ارتداد کی وجہ سے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے فی الفور قتل کر دیا جائے۔

توہینِ رسالت کا یہ مسئلہ غیر مسلم میڈیا پر بھی زیرِ بحث ہے اور غیر مسلموں کو اسلام کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا موقعہ فراہم کر دیا گیا ہے۔ غیر مسلم میڈیا مسلمان علماء کے بیانات کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا ہے جس سے اظہار ہوتا ہے کہ گویا اسلام ایک تنگ نظر اور خوفناک مذہب ہے جس میں کوئی بات بھی قابل برداشت نہیں۔ نادان اور کم فہم مسلمان علماء اسلام کے خلاف نفرت پھیلانے اور اسلام کے نام پر دھبہ لگانے میں غیر مسلموں کے ہم نوا بن رہے ہیں۔

جب قرآنِ کریم کا مطالعہ کیا جائے تو کہیں بھی توہینِ رسالت کے خلاف خدا تعالیٰ کسی انسان کو یا کسی ادارہ کو کسی قسم کی اجازت نہیں دیتا کہ جب چاہے اور جس طرح چاہے توہین رسالت کے مرتکب کو قتل کر دے۔ سنّتِ رسول اور احادیث میں بھی اس قسم کی سزا کی اجازت نہیں ملتی۔ قرآنِ کریم میں دو مقامات پر مقدس ذاتوں یعنی اللہ تعالیٰ اور حضرت مریم کی توہین کا ذکر ملتا ہے مگر کسی سزا کا ذکر نہیں جو انسان یا کوئی ادارہ دوسروں کو دے سکے۔ اسی طرح تکذیبِ انبیاء کے ضمن میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا کہ خدا تعالیٰ نے انبیاء کے ماننے والوں کو کبھی بھی یہ حق دیا ہو کہ وہ اپنی مرضی سے سزا مسلط کریں۔

نبی کریم ﷺ کے خلاف قریشِ مکہ نے ان گنت مظالم روا رکھے اور قتل کا ارادہ کیا اور پھر ہجرت پر مجبور کر دیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ آپؐ کے ماننے والوں کو طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا مگر قرآنِ کریم میں کسی سزا کا ذکر نہیں ملتا۔ نبی کریم ﷺ جب فاتح مکّہ کی حیثیت سے واپس تشریف لائے تو اپنے جانی دشمنوں کو یکسر معاف فرما دیا اور کسی قسم کی سزا نہیں دی۔ یہ وہ نمونہ تھا جس کا مظاہرہ صرف رحمت العالمینؐ کے مقدس وجود سے ہو سکتا تھا۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی بن سلول کا واقعہ رحمت العالمین کی سنت مبارکہ پر روشنی ڈالتا ہے کہ کس طرح منافقین کے سردار کو جس نے واضح طور پر رسول اللہ ﷺ کی ہتک کی تھی نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ اُس کا جنازہ بھی پڑھا اور اس کی بخشش کے لئے اپنی قبا بھی عطاء فرما دی۔ جب اس کے بیٹے نے خود اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو اُسے ایسا کرنے سے منع کیا۔ یہ ہے وہ نمونہ جسے دنیا کے لئے رحمۃ اللعالمین نے پیش کیا۔

اسی طرح قرآنِ کریم میں ارتداد کی کوئی سزا مقرر نہیں فرمائی گئی اور نہ انسانوں کو حق دیا گیا کہ وہ مذہب سے انحراف کرنے والوں کو قتل کریں۔ اس بارہ میں قرآن کریم کی واضح تعلیم سورۃ النساء: آیت 138 میں بیان فرمائی گئی ہے کہ ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انکار کر دیا پھر ایمان لائے پھر انکار کر دیا پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے، اللہ ایسا نہیں کہ انہیں معاف کر دے اور انہیں راستہ کی ہدایت دے''۔ قتلِ مرتد کے خلاف یہ ایک مضبوط دلیل ہے۔

بدنصیبی سے مسلمانوں کی اکثریت علوم قرآن سے عاری ہے اور یہی حال ان کے نام نہاد علماء کا ہے جو حکمت و فراست کی بجائے تعصب اور تشدد کی تعلیم دیتے ہیں جس پر عمل پیرا ہو کر وہ اسلام کی ایک بھیانک تصویر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ کیا ایسی تعلیم سے وہ کسی غیر مسلم کو اسلام کی طرف مائل کر سکتے ہیں؟۔ وہ جو دنیا کے لئے رحمۃ اللعالمین بن کر آیا تھا اور دنیا سے تعصب، جہالت، ظلم اور تشدد کا خاتمہ کرنے آیا تھا آج اسی کا مقدس نام لے کر اس کی تعلیم کے برعکس اسلام کی تصویر کشی کی جارہی ہے اور دشمنان اسلام کو اُس مقدس ذاتؐ اور اس کی اعلیٰ تعلیم پر طعن و تشنیع اور اعتراضات کا موقعہ دیا جارہا ہے۔ یہ علماء ایک نادان دوست کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو امام الزمان کو شناخت کرنے اور اس کے نورِ فراست سے حصہ لینے کی توفیق بخشے۔

درس القرآن

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً . اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَاماً

(الفرقان67-66)

اور وہ (یعنی رحمٰن کے بندے) کہتے ہیں اے ہمارے ربّ! ہم سے جہنم کا عذاب ٹلا دے۔ اس کا عذاب ایک بہت بڑی تباہی ہے۔ وہ (دوزخ) عارضی ٹھکانہ کے طور پر بھی بری ہے اور مستقل ٹھکانہ کے طور پر بھی (بری ہے)۔

اس آیت میں عبادالرحمٰن کی ایک علامت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! جہنم کے عذاب کو ہم سے دُور رکھ۔ کیونکہ اس کا عذاب ایک بہت بڑی تباہی ہے اور جہنم بہت بُرا ٹھکانہ ہے خواہ وہ عارضی وقت کے لئے ہو یا مستقل طور پر۔

اس جگہ گو اخروی جہنم بھی مراد ہے جس سے ہر سچا مومن اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہے مگر دنیوی نقطہ نگاہ سے ہر امر جو انسان کے لئے دکھ اور تکلیف کا موجب ہو اور جس سے اس کی جان و مال یا عزت اور آبرو کو خطرہ ہو اور جو اسے قوم اور ملک کی نظروں میں گرانے اور ذلیل کرنے والا ہو، وہ بھی اس کے لئے جہنم کا ہی رنگ رکھتا ہے۔ جہنم کے لفظ کا اطلاق ہر ایسی چیز پر ہوسکتا ہے جس کی طرف انسان پہلے تو بڑے شوق اور حرص کے ساتھ بڑھے مگر اس کے قریب پہنچے تو اس کا منہ بگڑ جائے اور وہ گھبرانے لگ جائے۔ یعنی پہلے تو بدیوں کی طرف رغبت کرتا ہے مگر جب ان کا انجام سامنے آتا ہے تو پھر اسے غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ ان معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس آیت میں عبادالرحمٰن کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ وہ یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ الٰہی ہمیں ہر ایسے کام سے بچائیو جو ہمیں دنیا و آخرت میں ذلیل کرنے والا ہو۔ تو ہمیں افلاس اور تنگدستی کے جہنم سے بچا، ہمیں کم علمی اور جہالت کے جہنم سے بچا۔ ہمیں بداخلاقی اور عیاشی کے جہنم سے بچا۔ ہمیں دنیاداری اور ہوس پرستی کے جہنم سے بچا۔ ہمیں اپنی آئندہ نسلوں کی خرابی کے جہنم سے بچا۔ ہمیں کفر اور شیطنت کے جہنم سے بچا، ہمیں لامذہبیت اور اباحت کے جہنم سے بچا۔ ہمیں اپنی محبت اور رضا سے دوری کے جہنم سے بچا۔ ہمیں منافقت اور بے ایمانی کے جہنم سے بچا، ہمیں خودسری اور جھوٹ اور ظلم اور تعدی کے جہنم سے بچا کیونکہ یہ برائیاں خواہ عارضی طور پر پیدا ہوں یا مستقل طور پر، بہرحال ان کا پیدا ہونا ہمارے لئے تباہی اور رسوائی کا باعث ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مستقل طور پر ان خرابیوں کا پیدا ہونا تو الگ رہا ہم میں عارضی طور پر بھی یہ خرابیاں نہ پیدا ہوں اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم رہیں۔

ان معنوں کے علاوہ اس میں اخروی جہنم کے عذاب سے بھی بچنے کی دعا سکھلائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جہنم عارضی رہائش کے لحاظ سے بھی بہت برا ٹھکانہ ہے اور مستقل رہائش کے لحاظ سے بھی بہت برا ٹھکانہ ہے۔

یہ ایک بہت جامع دعا ہے جو دنیا اور آخرت کی تمام تکالیف اور عذابوں سے بچنے کے لئے سکھلائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ باوجود اس کے کہ انہیں دنیا پر غلبہ حاصل ہوتا ہے پھر بھی قومی تنزل کا خوف ہر وقت انہیں آستانہ ایزدی پر جھکائے رکھتا ہے اور وہ رات دن دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ الٰہی ہم میں اور ہماری آئندہ نسلوں میں کسی قسم کی خرابی پیدا نہ ہونے دینا تا کہ ہم تیری جنت کے وارث بن سکیں۔ اگر مسلمان اپنے غلبہ کے اوقات میں اس قرآنی دعا کو ہمیشہ یاد رکھتے اور ہر کامیابی کے حصول پر قومی تنزل کے خطرات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تو اللہ تعالیٰ ان پر دائمی طور پر اپنا فضل رکھتا اور ہمیشہ ان کا قدم ترقی کے میدان میں آگے ہی آگے بڑھتا رہتا۔ پس ہمیں چاہئے کہ ہم ہر وقت اور ہر حال میں اس دعا کو یاد رکھیں تا کہ خدا تعالیٰ کا فضل ہمیشہ ہمیں دنیا و آخرت میں ہر قسم کے عذاب سے بچائے رکھے۔

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مجاہد اور قائد مسلمان میں درجہ کا فرق

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ کَانَ حَقّاً عَلَى اللّٰهِ اِنْ یُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْجَلَسَ فِیْ رَوْضَةِ الَّتِیْ وُلِدَفِیْهَا. قَالُوْا اَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ اَعَدَّهَااللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَا بَیْنَ الدَّرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَاِنَّهٗ اَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَاَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهَا عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهَا یَتَفَجَّرُ اَنْهٰرُالْجَنَّةِ (بخاری).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے اور نماز قائم کرتا اور رمضان کے روزے رکھتا ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ پر گویا یہ حق ہو جاتا ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے خواہ ایسا انسان خدا کے رستہ میں جہاد کرے یا اپنے پیدائشی گھر کے باغیچہ میں ہی قائد بن کر بیٹھا رہے۔ صحابہ نے عرض کیا: تو کیا یا رسول اللہ! ہم یہ بشارت لوگوں تک نہ پہنچائیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ جنت میں ایک سو درجے ایسے ہیں جنہیں خدا نے اپنے مجاہد بندوں کیلئے تیار کر رکھا ہے اور ہر درجہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس اے مسلمانو! جب تم خدا سے جنت کی خواہش کرو تو فردوس والے درجہ کی خواہش کیا کرو جو جنت کا سب سے وسطی اور سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور اس سے اوپر خدائے ذوالجلال کا عرش ہے اور اسی میں سے جنت کی تمام نہریں پھوٹتی ہیں۔

اس حدیث سے ہمیں کئی اہم اور مفید اور اصولی باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے:۔

(1) جنت میں صرف ایک ہی درجہ نہیں ہے بلکہ بہت سے درجے ہیں۔ جن میں سب سے اعلیٰ درجہ فردوس ہے جو گویا جنت کی نہروں کا منبع ہے۔

(2) جنت میں مجاہد مسلمانوں کے کم سے کم درجہ اور قائد مسلمانوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ میں بھی اتنا ہی فرق ہوگا جتنا کہ زمین اور آسمان میں فرق ہے۔

(3) مسلمانوں کو نہ صرف مجاہدوں والا درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے بلکہ اُن میں سے سب سے اعلیٰ درجہ یعنی فردوس کو اپنا مقصد بنانا چاہئے۔

(4) جنت کے مختلف درجے خدا تعالیٰ کے قرب کے لحاظ سے مقرر کئے گئے ہیں۔ اسی لئے جنت کے اعلیٰ ترین درجہ کو عرشِ الٰہی کے قریب تر رکھا گیا ہے۔

(5) جنت کی نعمتیں مادی نہیں ہیں بلکہ روحانی ہیں۔ کیونکہ ان کا معیار خدا کا قرب مقرر کیا گیا ہے۔ اور گو ان نعمتوں میں روح کے ساتھ جسم کا بھی حصہ ہوگا جیسا کہ اعمال میں بھی اس کا حصہ ہوتا ہے مگر جنت میں انسان کا جسم بھی روحانی رنگ کا ہوگا اس لئے وہاں کی جسمانی نعمتیں بھی دراصل روحانی معیار کے مطابق بالکل پاک وصاف ہوں گی۔

یہ وہ لطیف علم ہے جو ہمیں اس حدیث سے حاصل ہوتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ تا مسلمانوں کے مقصد اور آئیڈیل کو زیادہ سے زیادہ بلند کیا جائے۔ بیشک ایک مسلمان جو نماز اور روزہ کے احکام وغیرہ کو تو خلوص نیت سے پورا کرتا ہے (اس حدیث میں حج اور زکوٰۃ کے ذکر کو اس لئے ترک کیا گیا ہے کہ وہ ہر مسلمان پر واجب نہیں بلکہ صرف مستطیع اور مالدار لوگوں پر واجب ہیں) مگر اپنے گھر میں قائد بن کر بیٹھا رہتا ہے وہ خدا کی گرفت سے بچ کر نجات حاصل کر سکتا ہے۔ مگر وہ ان اعلیٰ انعاموں کو نہیں پا سکتا جو انسان کو خدا تعالیٰ کے قرب خاص کا حق دار بناتے ہیں۔ پس ترقی کی خواہش رکھنے والے مومنوں کا فرض ہے کہ وہ قائدانہ زندگی ترک کر کے مجاہدانہ زندگی اختیار کریں اور خدا کے دین اور اس کے رسول کی امت کی خدمت میں دن رات کوشاں رہیں۔ حق یہ ہے کہ ایک قائد مسلمان جس کے دین کا اثر اور اس کے دین کا فائدہ صرف اس کی ذات تک محدود ہے وہ اپنے آپ کو اعلیٰ نعمتوں سے ہی محروم نہیں کرتا بلکہ اپنے لئے ہر وقت کا خطرہ بھی مول لیتا ہے کیونکہ بوجہ اس کے کہ وہ بالکل کنارے پر کھڑا ہے، اس کی ذرا سی لغزش اسے نجات کے مقام سے نیچے گرا کر عذاب کا نشانہ بنا سکتی ہے۔ مگر ایک مجاہد مسلمان اس امکانی خطرہ سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ خدا کی راہ میں مجاہد بننے کا کیا طریق ہے! سو گو جہاد فی سبیل اللہ کی بیسیوں شاخیں ہیں مگر قرآن شریف نے دو شاخوں کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى

بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

کلام الامام علیہ السلام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''مَیں ہی مسیح ہوں اور برکات میں چلتا پھرتا ہوں۔ اور ہر روز برکات اور نشانات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور نور میرے دروازے پر چمکتا ہے۔ اور ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ بادشاہ میرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے اور یہ زمانہ اب قریب ہی ہے اور خدائے قادر سے یہ بات عجیب نہیں''۔

(ترجمہ از مرتب، مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 310-309)

''ہمارے نزدیک تو مومن وہی ہے جو قرآن شریف کی سچی پیروی کرے اور قرآن شریف کو ہی خاتم الکتب یقین کرے اور اُسی شریعت کو جو آنحضرت ﷺ دنیا میں لائے تھے اسی کو ہمیشہ تک رہنے والی مانے۔ اور اس میں ایک ذرّہ بھر اور ایک شوشہ بھی نہ بدلے۔ اور اس کی اتباع میں فنا ہو کر اپنا آپ کھودے اور اپنے وجود کا ہر ذرّہ اس راہ میں لگائے۔ عملاً اور علماً اس کی شریعت کی مخالفت نہ کرے تب پکّا مسلمان ہوتا ہے''۔

(اخبار الحکم قادیان. 6 مئی 1908ء)

''جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں۔ باقی سب اسی کے ظِل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبّر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو''۔

(کشتی نوح صفحہ 24)

بقیہ از صفحہ 4: درس الحدیث

اَلْقَاعِدِیْنَ دَرَجَةً ''یعنی خدا تعالیٰ نے دین کے رستہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعہ جہاد کرنے والے لوگوں کو گھروں میں بیٹھ کر نیک اعمال بجالانے والوں پر بڑی فضیلت دی ہے''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کا بڑا ذریعہ مال اور جان ہے۔ مال کا جہاد یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت اور اسلام کی ترقی اور اسلام کی مضبوطی کے لئے بڑھ چڑھ کر رقم خرچ کی جائے اور جان کا جہاد یہ ہے کہ اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت (یعنی تبلیغ اور تربیت وغیرہ) میں لگایا جائے۔ اور موقعہ پیش آنے پر جان کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔ جو شخص ان دو قسموں کے جہادوں میں دلی شوق کے ساتھ حصہ لیتا ہے وہ خدا کی طرف سے اُن اعلیٰ انعاموں کا حقدار قرار پاتا ہے جو ایک مجاہد کے لئے مقدّر ہیں۔ مگر گھر میں بیٹھ کر نماز روزہ کرنے والا مسلمان ایک قائدوالی بخشش سے زیادہ امید نہیں رکھ سکتا۔

اب دیکھو کہ ہمارے آقا ﷺ کی ہم پر کس درجہ شفقت ہے کہ ایک انتہائی طور پر رحیم باپ کی طرح فرماتے ہیں کہ بیشک تم نماز روزہ کے ذریعہ نجات تو پالو گے اور عذاب سے بچ جاؤ گے مگر اپنے تخیل کو بلند کر کے ان انعاموں کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جو ایک مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے مقدّر کئے گئے ہیں کیونکہ اس کے بغیر قومی زندگی کا قدم کبھی بھی ترقی کی بلندیوں کی طرف نہیں اٹھ سکتا بلکہ ایسی قوم کی زندگی ہمیشہ خطرہ میں رہے گی۔ اس تعلق میں سب سے مقدّم فرض ماں باپ کا اور ان کے بعد اساتذہ کا ہے کہ وہ بچپن کی عمر سے ہی بچوں میں مجاہدانہ روح پیدا کرنے کی کوشش کریں اور انہیں قاعدانہ زندگی پر ہرگز قانع نہ ہونے دیں۔

سالانہ اجتماع مجلس انصار اللہ برطانیہ 2010ء کے موقعہ پر

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا پُر معارف خطاب

ارشاد فرمودہ بتاریخ 3/ اکتوبر 2010ء بمقام اسلام آباد (ٹلفورڈ)

(نوٹ: حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ خطاب ادارہ "انصار الدین" اپنی ذمہ داری پر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔)

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔

اس وقت میں صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کچھ روایات پیش کروں گا جو رجسٹر روایات صحابہ میں سے مَیں نے لی ہیں جن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے اپنے مقام پر بھی روشنی پڑتی ہے اور ان صحابہ کی پاک فطرت اور دین کی حقیقت اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا مقام جاننے کی جستجو کا بھی پتہ چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی رہنمائی فرمائی اس میں یہ باتیں بھی آئیں گی۔

حضرت میاں محمد ابراہیم صاحب جو میاں محمد بخش صاحب گوجرانوالہ کے بیٹے تھے اور جو پیدائشی احمدی تھے، یہ کہتے ہیں کہ لاہور میں حضرت اقدس کا ایک لیکچر ہوا۔ میں بمع والد صاحب کے گیا۔ حضور ایک مکان کے برآمدے میں تقریر کر رہے تھے۔ آگے بڑا صحن تھا جو بالکل بھرا ہوا تھا۔ باہر مخالفین از حد شور مچا رہے تھے اور اندر اینٹیں اور روڑے پھینک رہے تھے۔ لوگوں کو اندر آنے سے روکتے تھے۔ میں اور والد صاحب تقریر سننے کے لئے بیٹھ گئے۔ دورانِ تقریر میں مَیں نے دیکھا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اپنی ران پر ہاتھ مارتے تھے اور بعض اوقات ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے۔ میں نے اپنے والد صاحب کو کہا کہ حضرت اقدس اس طرح تقریر کر رہے ہیں جیسے پہلوان کشتی لڑتے ہیں۔ یہ انبیاء کا کام نہیں (یہ اعتراض ان کے دل میں پیدا ہوا) تو والد صاحب نے اس وقت حافظ محمد لکھو کے والے کا یہ شعر پڑھا۔ پنجابی کا شعر ہے ؎

بولن لگے اُڑ کر بولے

پٹاں تے ہتھ مارے

(یعنی جب بولتا ہے تو زبردست بولتا ہے اور رانوں پر ہاتھ مار کر بولتا ہے) تو ان کے والد صاحب کہنے لگے تم جس بات پر اعتراض کر رہے ہو، یہ تو حضور کی صداقت کا نشان ہے۔ اس پر میں خاموش ہو گیا اور گھر میں آ کر "احوال الآخرۃ" میں سے وہ شعر دیکھا۔

بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اعتراض اور وسوسے دل میں پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن جن کو خدا تعالیٰ بچانا چاہتا ہے ان کو فوراً دور کرنے کے انتظام بھی فرما دیتا ہے۔ اب ان کے والد صاحب کو یہ شعر یاد تھا فوراً انہوں نے بیان کر دیا۔ سو یہ سوچنا کہ اس زمانہ کے لوگ کم علم تھے درست نہیں۔ بڑی تحقیق کے بعد وہ لوگ بیعت میں شامل ہوتے تھے۔ یا خوابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کی تسلی کراتا تھا تو وہ لوگ بیعت میں شامل ہوتے تھے۔

پھر حضرت میاں میراں بخش صاحب ولد میاں شرف الدین صاحب، ٹیلر ماسٹر تھے۔ یہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں جب دکان سے اپنے گھر کی طرف جاتا تھا تو راستے میں اپنے بھائی غلام رسول سے ملا کرتا تھا۔ ان کے ساتھ سلسلے کی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ مَیں چونکہ مخالف تھا اس لئے ان کو جھوٹا کہا کرتا تھا لیکن جب گھر آ کر سوچتا تو نفس کہتا کہ کورا اَن پڑھ ہے (بالکل اَن پڑھ ہے) مگر اس کی باتیں لاجواب ہیں۔ ایک دفعہ میرے بھائی نے مجھے کچھ ٹریکٹ دیئے، کچھ لٹریچر دیا، پمفلٹ دیئے جو مَیں نے پڑھے۔ ان کا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ اس پر مَیں نے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا شروع کر دی۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ مَیں اپنی چارپائی سے اُٹھ کر پیشاب کرنے گیا ہوں مگر دیکھتا ہوں کہ باری کھلی ہے (یعنی کھڑکی کھلی ہے)۔ مَیں حیران ہوا کہ آج کھڑکی کیوں کھلی ہے۔ مَیں جب باری کی طرف گیا تو دیکھا کہ ایک بزرگ ہاتھ میں کتاب لئے پڑھ رہے تھے۔ مَیں نے سوال کیا کہ یہ کون سی کتاب ہے جو

آپ پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ کتاب مرزا صاحب کی ہے اور ہم تمہارے لئے ہی لائے ہیں۔ جب انہوں نے کتاب دی تو مَیں نے کہا کہ یہ تو چھوٹی تختی کی کتاب ہے؟ مَیں نے ان کے ٹریکٹ دیکھے ہیں وہ بڑی تختی کے ہوتے ہیں۔ وہ بزرگ بولے کہ مرزا صاحب نے یہ کتاب چھوٹی تختی کی چھپوائی تھی اس پر میری آنکھ کھل گئی۔ کہتے ہیں کہ مَیں نے خیال کیا کہ شاید مَیں دعا کر کے ان خیالات میں سویا تھا یہ انہی کا اثر ہے۔ مگر جب مَیں ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے اپنے گھر کی طرف آیا تو غلام رسول کی دکان پر ایک شخص بیٹھا ہوا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ مَیں نے کہا کہ یہ کون سی کتاب ہے جو پڑھ رہے ہو۔ میاں غلام رسول نے اس کے ہاتھ سے یہ کتاب لے کر میرے ہاتھ میں دے دی اور کہا کہ تم جو کتاب مانگتے تھے یہ کتاب آپ کے لئے ہی مَیں لایا ہوں یہ آپ لے لیں۔ مَیں نے کتاب کو دیکھ کر کہا کہ کتاب رات خواب میں مجھے مل چکی ہے۔ اس پر مَیں نے "ازالہ اوہام" کے دونوں حصوں کو غور سے پڑھا اور اپنے دل سے سوال کیا کہ کیا اب بھی تمہیں کوئی شک وشبہ باقی ہے؟ میرے دل نے جواب دیا کہ اب کوئی شک وشبہ باقی نہیں۔ اس لئے مَیں نے بیعت کا خط لکھ دیا۔ تو یہ لوگ تھے جن میں سعادت تھی اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت بھی مانگتے تھے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی بھی فرماتا تھا اور یہ نظارے ہمیں آج بھی بہت سی جگہوں پر نظر آتے ہیں۔

پھر یہی روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھے تھے تو میری موجودگی میں وہاں ایک عیسائی لڑکا آ گیا۔ اس نے ایک کاغذ پر کچھ اعتراضات لکھے ہوئے تھے اور دل میں یہ بات رکھی ہوئی تھی کہ اگر حضرت صاحب نے ان کے اعتراض کا بغیر دیکھنے کے جواب دے دیا تو میں ان کو سچا سمجھوں گا۔ چنانچہ جب حضرت اقدسؑ سیر کو تشریف لے گئے، مَیں بھی ساتھ تھا۔ دورانِ سفر حضرت اقدسؑ نے ایک تقریر کی جو بالکل اس کے جوابات پر مشتمل تھی۔ جب حضورؑ واپس تشریف لائے تو اس لڑکے نے مسجد اقصیٰ میں میری موجودگی میں بیان کیا کہ واقعی میرے سوالات کے جوابات حضور کی تقریر میں آ گئے ہیں۔

پھر ایک روایت یہ کرتے ہیں کہ اُس زمانہ میں یہ بات عام مشہور تھی کہ حضرت اقدس کو نعوذ باللہ کوڑھ کی بیماری ہے۔ (اور مخالفینِ احمدیت اب تک بھی اس قسم کے بیہودہ اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں)۔ چنانچہ ایک دفعہ مَیں قادیان سے واپس گوجرانوالہ آیا ہی تھا کہ ایک شخص امام الدین نام درزی جسے لوگ اس کے بُرے افعال کی وجہ سے پھَٹکا کہا کرتے تھے، وہ دوڑتے دوڑتے میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جس کا تو مرید ہے وہ تو کوڑھا ہے۔ اس کے ہاتھ کی انگلیاں گل چکی ہیں اور وہ ہر وقت برقعہ پہنے رکھتا ہے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں ابھی قادیان سے آ رہا ہوں۔ اس شخص کا چہرہ تو ایسا خوبصورت ہے کہ ہر وقت اس پر نُور برستا رہتا ہے۔ تم کو یہ بات کس نے بتائی ہے۔ بہرحال یہ تو مخالفین کا شیوہ ہے اور کوئی دلیل ہاتھ نہیں آتی تو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

پھر ایک روایت حضرت حکیم عبدالرحمٰن صاحب ولد حضرت حکیم اللہ دتہ صاحب گوجرانوالہ کی ہے جنہوں نے 1904ء میں بیعت کی تھی۔ کہتے ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے والد صاحب کو احمدی پایا ہے۔ میرے والد صاحب تین سو تیرہ صحابہ کی فہرست میں شامل ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے خواب میں دو جنگلے دیکھے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آج قیامت کا دن ہے اور تمام مخلوقات اکٹھی ہو رہی ہے۔ یہ سن کر میں بھی جنگلے کی طرف گیا۔ دروازے میں داخل ہوا تو بعض لوگوں نے کہا کہ پہلے بائیں طرف جاؤ۔ جو بھی ادھر سے ہو کر آئے گا اسے دائیں طرف جانے کی اجازت مل سکتی ہے۔ مَیں اسی طرف گیا تو دیکھا حضرت مرزا صاحب کا دربار لگا ہوا ہے اور بے شمار مخلوق پاس موجود ہے۔ مَیں نے ملاقات کی۔ ملاقات کے بعد مجھے اجازت دی گئی کہ اب آپ دائیں طرف جا سکتے ہیں۔ مَیں بڑا خوش ہوا پھر نیند سے بیدار ہو گیا۔

یہ اپنی بیعت کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں ایک مولوی علاؤالدین صاحب ہوا کرتے تھے۔ ان کی یہاں قریب ہی ایک مسجد بھی ہے۔ میرے والد صاحب ان کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن عشاء کے وقت وضو کرتے کرتے میرے والد صاحب نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ مولوی صاحب آج کل آسمان سے تارے بہت ٹوٹتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ امام مہدی آنے والا ہے۔ آسمان پر اس کی آمد کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ چند دن بعد مَیں نے حضرت اقدس کا ذکر سنا اور قادیان جا کر بیعت کر لی۔ واپس آ کر مولوی صاحب کو بھی کہا کہ مَیں نے تو بیعت کر لی ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟ مگر وہ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولے کہ میاں بات تو سچی ہے مگر ہم دنیادار جو ہوئے۔

کہتے ہیں کہ مَیں تقریباً دس سال کا تھا کہ میرے والد صاحب مجھے قادیان لے گئے اور قادیان کے ارد گرد سیر کرائی۔ جب ہم مسجد نور کے

پاس پہنچے جو کہ ابھی بنی ہوئی نہیں تھی۔ غالباً بنیادیں رکھی گئیں تھیں۔ فرمایا کہ میاں ہم پہلے پہلے جب حضرت اقدس کے ساتھ آیا کرتے تھے تو بالکل جنگل تھا۔ ہم حضور کے لئے کپڑا بچھا دیا کرتے تھے۔ حضور وہاں بیٹھ جاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت آپ لوگ یہاں کائی اور سرکنڈا دیکھتے ہیں، ایک وقت یہاں خوب رونق ہوگی۔

حضرت مہر غلام حسین صاحب روایت کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہم دونوں بھائی بازار میں جا رہے تھے۔ تمام بستی ہندوؤں کی تھی ایک بوڑھے شخص کو ہم نے قرآن پڑھتے سنا۔ جب ہم واپس آئے تو پھر بھی وہ پڑھ رہا تھا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ شخص پکا مسلمان اور بے دھڑک آدمی ہے جو ہندوؤں کی بستی میں قرآن پڑھ رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ بیعت کے بعد جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر دیکھی تو پتہ لگا کہ یہ وہی شخص تھا جس کو مَیں نے خواب میں قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔

حضرت مہر غلام حسین صاحب ہی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص بنام رحیم بخش صاحب قوم درزی ان کی مسجد میں آیا کرتا تھا۔ آ کر کہنے لگا کہ مولوی صاحب! آج طبیعت بہت پریشان ہے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو بیان کرنے لگا کہ حامد شاہ ایک فرشتہ اور باخدا انسان ہے اور مسلمان ان کی تعریف کرتے ہیں۔ آج ان سے بہت غلطی ہوئی ہے۔ آج انہوں نے اپنے ماموں عمر شاہ کو کہا ہے کہ ماموں جان آپ کا حضرت ابن مریم کے بارہ میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ بیٹا! میرا تو یہی مذہب ہے کہ وہ زندہ آسمان پر ہیں۔ کسی زمانے میں امتِ محمدیہ کی اصلاح کے لئے آئیں گے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ ماموں صاحب! آج سے آپ میرے امام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ عقیدہ مشرکانہ ہے کہ ایک انسان کو حیّ و قیوم اور لازوال مانا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سید و مولیٰ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عقیدہ سے بڑی ہتک ہوتی ہے کہ وہ تو زمین میں مدفون ہوں اور حضرت عیسیٰ آسمان پر اٹھائے جائیں۔ عمر شاہ نے اس پر کہا کہ اچھا بیٹا، آپ آگے کھڑے ہوا کریں اور میں پیچھے پڑھا کروں گا۔ مَیں نے یہ بات سنتے ہی کہا کہ مولوی صاحب! مَیں نے مان لیا ہے کہ مسیح مر گیا ہے۔ اگر مسیح زندہ رہیں تو توحید میں بڑا فرق آتا ہے۔ آپ یہ مت خیال کریں کہ احمدی ہوں۔ مَیں ابھی تک احمدی نہیں مگر مرزا صاحب کی بات ضرور سچی ہے۔ مَیں کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی جائے۔ مولوی صاحب نے میرے منہ کے آگے ہاتھ رکھ دیا۔ مَیں نے کہا مولوی صاحب! کیوں روکتے ہو؟ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر آپ کا عقیدہ ہو گیا ہے کہ مسیح مر گیا ہے تو اتنا جوش و خروش دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟ مَیں نے کہا مولوی صاحب! مسجد سے نکلتے ہی منادی کرتا چلا جاؤں گا کہ اگر حضرت عیسیٰ آسمان پر ہیں تو محمد رسول اللہ کی ہتک ہے۔ مَیں نے جاتے ہی اپنے والد صاحب کو سمجھایا اور میرا بڑا بھائی غلام حسین جو عارف والے کا امیر جماعت ہے وہ دونوں جل کر آگ بگولہ ہو گئے اور میرا نام دجال اور ملعون وغیرہ رکھا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ کل جمعہ پر مولویوں کا حملہ ہوگا۔ مَیں نے رات کے وقت اس احمدی کو جس کو ہم نے مسجد سے روکا تھا ایک نوکر کے ذریعہ بلایا۔ مَیں نے اسے پوچھا کہ کیا مرزا صاحب نے وفاتِ مسیح پر کوئی دلیل بھی دی ہے یا یوں ہی کہہ دیا ہے۔ اس نے کہا نہیں آیات پیش کی ہیں، مَیں نے حیران ہو کر کہا کہ ہم دن رات قرآن پڑھتے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں یہ کیا بات ہے۔ ایک ہی آیت ہمیں بتا دو۔ اس نے ساتویں پارے کی آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ بتا دی۔ مَیں نے کہا اب میری تسلی ہو گئی ہے۔ اب کوئی مولوی میرا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ فجر کے وقت مولوی غلام حسین صاحب اور مولوی فیض دین صاحب اور دو تین اور آدمی میرے بھائی کے ہمراہ آئے۔ مَیں مسجد کے دروازے میں کھڑا تھا کہ یہ جا پہنچے۔ مولوی غلام حسین نے کہا کہ مسیح کے آپ کیوں دشمن ہو گئے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ مولوی صاحب! مَیں نے کیا دشمنی کی؟ وہ کہتے کہ آپ کا بھائی کہتا ہے کہ یہ مسیح کی موت کا قائل ہو گیا ہے۔ مَیں نے کہا مولوی صاحب کیا کریں، وہ تو خود اپنی موت کا اقرار کر رہا ہے۔ اور آپ کی مثال مدعی سست گواہ چست کی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا یہ کہاں لکھا ہے؟ مَیں نے کہا قرآن میں۔ وہ کہتے ہیں مگر کونسا قرآن! جو مرزا صاحب نے بنا دیا ہے؟ مَیں نے کہا مولوی صاحب ذرا ہوش سے بولیں۔ خدا پر حملہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ تو فرماتا ہے کہ میرے قرآن کی کوئی مثل نہیں لا سکتا اور یہ کہہ رہے ہیں کہ قرآن مرزا صاحب نے بنا دیا ہے۔ کہنے لگے کہاں لکھا ہے؟ مَیں نے ساتویں پارے کی آیت پڑھی۔ کہتے ہیں مگر ہم تمہیں ایک ہی گُر بتاتے ہیں کہ ان بے ایمانوں کے ساتھ بات نہ کی جائے یعنی احمدیوں کے ساتھ بات نہ کی جائے۔ بلکہ نظر کے ساتھ نظر ملائی جائے تو بھی اس کا اثر ہو جاتا ہے۔ مَیں نے کہا مولوی صاحب! سچائی کا اثر ویسے ہی ہوا کرتا ہے۔ مولوی صاحب واپس ہو کر چلے گئے۔ میرا بھائی جو مخالف تھا وہ نیروبی میں چلا گیا۔ مَیں نے بیعت کر لی۔ والد صاحب اور بیوی کو بھی سمجھا لیا۔ گویا سب کو سمجھا لیا۔ بھائی کو نیروبی میں جا کر سمجھ آئی۔ وہ دس ماہ کے بعد واپس

چلے آئے اور آتے ہی بیعت کر لی۔ اب خدا کے فضل سے ہمارے محلے میں سوڈیڑھ سو افراد احمدی ہیں۔ بھائی صاحب کی واپسی پر والد صاحب میر حامد شاہ صاحب اور بھائی صاحب قادیان گئے وہ جب واپس آئے تو ہم چار آدمی تبلیغ کرتے کرتے پیدل چل پڑے اور دستی بیعت کی۔

کئی سعید روحیں ہیں جو خوف کی وجہ سے چپ ہیں۔ آج بھی اگر یہ پاکستان میں اس قانون کو ہٹا دیں اور احمدیوں کو آزادی سے تبلیغ کرنے دیں تو انشاء اللہ تعالیٰ احمدیت میں داخل ہو جائیں گی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میری بیوی، بڑا بھائی اور اس کی بیوی قادیان گئے۔ ہم نے ایک مکان کرائے پر لیا ہوا تھا۔ رات کو ہم اس مکان میں رہتے تھے۔ دن کو ہماری مستورات اور بچے حضرت صاحب کے مکان میں رہتے تھے اور ہم مہمان خانہ میں۔ میرے بھائی کی لڑکی کی آنکھیں بچپن سے ہی بیمار رہتی تھیں۔ چونکہ وہ لڑکی حضرت صاحب کے پاس رہتی تھی۔ حضرت صاحب نے اپنے ایک خادم کے ساتھ اس لڑکی کو بھیجا اور فرمایا کہ مولوی صاحب کو جا کر کہو کہ کچھ اس لڑکی کی آنکھوں میں دوائی ڈال دیں (حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ حضرت خلیفہ اول)۔ چنانچہ مولوی صاحب نے کچھ چیز ڈالی پھر عمر بھر اس لڑکی کی نظر خراب نہیں ہوئی۔

حضرت سید نذیر حسین شاہ صاحب آف گھٹیالیاں نے 1904ء میں بیعت کی تھی۔ یہ کہتے ہیں کہ جب حضرت اقدس سیالکوٹ تشریف لے گئے تو گھٹیالیاں میں چونکہ احمدیت کے متعلق ایک رَو پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے یہاں کے سترہ اٹھارہ آدمی گئے تھے اور قریباً سب نے بیعت کر لی تھی۔ بیعت کا واقعہ یوں ہے کہ جس روز حضرت اقدس نے سیالکوٹ جانا تھا ہم اس سے ایک روز پہلے گئے تھے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب پانچ سات روز پہلے گئے ہوئے تھے۔ اور حضرت مولوی نورالدین صاحب غالباً ایک دن پہلے گئے تھے کیونکہ مَیں نے ان کو مسجد میں دیکھا تھا۔ ہم لوگ چوہدری محمد امین صاحب وکیل کے ڈیرہ پر اترے ہوئے تھے اور وہ سخت دہریہ تھا۔ مگر چونکہ ہمارے اس کے ساتھ تعلقات تھے، ہم اس کے پاس ٹھہرا کرتے تھے۔ وہ حضرت خلیفہ اوّل کے پاس اپنے اعتراضات لے کر گئے۔ جب واپس آئے تو چوہدری شاہ دین صاحب نے انہیں پوچھا کہ بتاؤ مولوی نورالدین صاحب سے مل آئے؟ (یہ دیکھیں کس طرح تبلیغ کیا کرتے تھے) انہوں نے کہا کہ مذہبی مناظرے کی شطرنج میں دوسرا چالا یہ شخص چلنے ہی نہیں دیتا۔ (حضرت خلیفۃ اوّلؓ کے بارہ میں کہا کہ جب مَیں کوئی بات کرتا ہوں یہ دوسری چال مجھے چلنے ہی نہیں دیتا۔ بالکل بند کر دیتا ہے۔) نیز کہا کہ آج مجھے خدا پر ایمان ہو گیا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وجہ سے خدا پر ایمان ہو گیا تھا۔ چونکہ اسی روز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد آمد تھی۔ اس لئے عصر کے وقت ہی تمام شہر کے معززین اور مضافات کے لوگ جوق در جوق سٹیشن پر جانے لگے۔ ہم بھی پہنچ گئے۔ حضور کی گاڑی شام کے وقت سٹیشن پر پہنچی۔ اور جس ڈبے میں حضور تھے اسے کاٹ کر راجیکی سرائے کے پاس لے جایا گیا۔ حضور ایک فٹن پر سوار ہوئے۔ لوگ دورویہ قطاروں میں الگ کھڑے تھے اور پولیس گشت کر رہی تھی۔ حضرت صاحب کے ساتھ ایک شخص لیمپ لے کر کھڑا تھا اور کہتا تھا کہ یہ مرزا صاحب ہیں۔ بعد میں وہ شخص مجھے ملا اور چونکہ احمدی ہونے کی وجہ سے اس سے واقفیت ہو گئی، وہ حکیم عطا محمد صاحب تھے۔ کہتے ہیں کہ وہاں مولوی عبدالکریم صاحب نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ میں بالکل حضرت صاحب کے پاس کھڑا تھا اور حضور ہی کی طرف میری توجہ تھی۔ جمعہ کے بعد حضور کے لئے کرسی بچھائی گئی۔ حضور تشریف فرما ہوئے اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر کی۔ جس وقت حضور سورۃ فاتحہ پڑھ رہے تھے میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ بالکل بھولی بھالی شکل کا انسان ہے۔ یہ تقریریں ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ان کی نہیں ہرگز ہو سکتیں۔ مگر جب حضور نے تقریر فرمائی تو میرا شک رفع ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس تقریر میں حضور نے فرمایا کہ لوگ خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں کہ وہ ربّ العالمین ہے، مالکِ یوم الدین ہے، اور چاہتے ہیں کہ گمراہی کے ازالہ کا اللہ کوئی علاج کرے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے علاج کا سامان کیا ہے تو لوگ منکر ہو رہے ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ ظالم ہے کہ ایک تو امت گمراہ ہو رہی ہو اور دوسرے ان میں ایک دجال کو بھیج کر انہیں اور گمراہ کرے؟ یہ سوچتے نہیں۔ اس تقریب کا لوگوں پر اس قدر اثر ہوا کہ بے شمار مخلوق نے بیعت کی۔ مجھے چوہدری اللہ دتہ صاحب نے کہا کہ بیعت کرو کیا دیکھتے ہو؟ ان کی تحریک سے میں نے دستی بیعت کر لی۔ اس سے پہلے میں حضرت اقدس کی ہر مجمع میں تائید کیا کرتا تھا مگر ابھی تک بیعت نہیں کی تھی۔ ہاں ایک بات یاد آئی۔ جب حضرت صاحب فٹن پر سوار ہوئے تو ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا اس نے کہا یہ منہ جھوٹے کا نہیں۔ میرے منہ سے حضرت صاحب کو دیکھ کر بے اختیار یہ کلمہ نکلا کہ اس نے کبھی آسمان کو نہیں دیکھا ہو گا۔ حضرت صاحب کی نظر اس وقت بھی نیچی تھی۔ (نظریں ہمیشہ نیچی رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اتنی نظریں نیچی رکھتے ہیں کبھی آسمان نہیں دیکھا

ہوگا۔)

ایک دفعہ حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی گئی کہ حضور! مکان کے نیچے خلقت بے شمار جمع ہے۔ حضور کو دیکھنا چاہتی ہے۔ حضور نے کھڑکی میں سے چہرہ مبارک باہر نکالا۔ مخلوق اس قدر ٹوٹی پڑی کہ قریب تھا کہ کئی لوگ دَب کر مر جائیں۔ اس پر حضور کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضور چہرہ مبارک اندر کرلیں ورنہ کوئی حادثہ ہو جائے گا۔ چنانچہ حضور نے چہرہ اندر کرلیا۔

چوہدری حاکم دین صاحب میانوالی خانہ والی کی 1902ء کی بیعت ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ میرا بھائی احمدی تھا اور مولوی تھا۔ ہم حیران ہوتے تھے کہ اس کو کیا ہوگیا۔ پہلے موحّد بنا اب احمدی ہوگیا۔ ہمیں اس سے بڑی نفرت ہوگئی۔ وہ ہمیں سمجھاتا رہا۔ قلعہ صوبہ سنگھ سے مولوی فضل کریم صاحب بھی سمجھانے کے لئے آتے مگر ہمیں سمجھ نہیں آتی تھی۔ پھر ایک مناظرہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے رحیم بخش عرضی نویس پتھو کے کا تھا اور غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی شاہ محمد آف قلعہ میاں سنگھ تھا۔ غیر احمدی مولوی صرف رفع الی اللہ ہی کو پیش کرتا تھا مگر احمدی قرآنِ کریم کی کئی آیتیں پڑھ کر استدلال کرتا تھا۔ اس وقت ہمیں سمجھ آئی کہ یہ لوگ بھی مسلمان ہیں۔ اس سے پہلے ہم احمدیوں کو عیسائیوں کی طرح سمجھتے تھے۔ وہاں ہی مَیں نے احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھی۔ راستے میں سوچا۔ پھر بھائی کے ساتھ قادیان گیا۔ (یہ مولویوں کا جھوٹا پروپیگنڈا ہے جیسا کہ مَیں نے کہا، ہمیشہ ہر وقت چلتا رہتا ہے۔ اب دیکھیں کہ انہوں نے تحقیق کا کیا ذریعہ ڈھونڈا۔ جستجو ہو، نیک فطرت ہو تو آدمی ہر ذریعہ تلاش کرتا ہے۔ انہوں نے یہ کیا۔ کہتے ہیں کہ میں تحقیق کرنے کے لئے) پہلے اُس شخص کے پاس گیا جو چُوڑھوں کا بادشاہ کہلاتا ہے (یعنی جو کام کرنے والے ہیں، خاکروب ہیں۔) وہ خود تو موجود نہ تھا اس کا بالکہ ملا جو بوڑھا ہو چکا تھا (یعنی اس کا نائب۔) اس سے مَیں نے پوچھا کہ مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے بارہ میں آپ کو کوئی واقفیت ہے؟ اس نے کہا کہ پہلے تو نورٌ علیٰ نور تھا۔ بڑی عبادت کیا کرتا تھا۔ مگر اب اسے غلطی لگ گئی ہے۔ پھر ایک اور فقیر سے پوچھا کہ کیا آپ احمدی ہیں؟ کہنے لگا نہیں۔ مَیں نے کہا کیوں؟ کہنے لگا مجھ پر مرزا صاحب کے رشتہ داروں نے دعویٰ کیا تھا کہ جہاں یہ رہتا ہے یہ مکان اس کا نہیں ہے۔ مَیں نے مرزا صاحب کو ہی صفائی میں طلب کرلیا۔ مرزا صاحب نے عدالت میں کہہ دیا کہ یہ غریب فقیر ہے۔ مکان اس کے پاس ہی رہے تو کیا حرج ہے؟۔ اس پر مکان مجھے مل گیا۔ مرزا صاحب کے رشتے دار اُن پر بڑے خفا ہوئے۔ کہتے ہیں، اس پر مَیں نے اس فقیر سے کہا کہ پھر بھی تجھ پر مرزا صاحب کی سچائی نہیں کھلتی؟ کہنے لگا بات یہ ہے کہ یہ جو شرطیں لگاتا ہے ان پر چلنا مشکل ہے۔ (شرائط بیعت بڑی مشکل ہیں) کہتے ہیں کہ ان دونوں فقیروں کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ جو شخص پہلے نورٌ علیٰ نور تھا اب وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اس پر میں نے بیعت کرلی اور پھر کئی دفعہ حضور کی زندگی میں قادیان گیا اور سیالکوٹ لیکچر کے موقع پر بھی گیا۔

چوہدری عبداللہ خان صاحبؓ داتہ زید کا، ان کی بیعت 1902ء کی ہے یہ لکھتے ہیں کہ 1902ء میں یہاں گرمی کے موسم میں دو مولوی آئے۔ ایک فضل کریم صاحب مرحوم قلعہ صوبہ سنگھ کے، اور دوسرے عبدالحیٔ۔ مؤخر الذکر نے حضرت صاحب کے خلاف ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ یہ کفر کی حالت میں ہی مرا ہے۔ مگر مولوی فضل کریم صاحب میرے ساتھ ایمان لائے تھے۔ یہ دونوں مولوی صاحب ایک رات میرے پاس ٹھہرے۔ مَیں نے حضرت صاحب کے متعلق ان سے دریافت کیا۔ پہلے مولوی فضل کریم صاحب بولے اور کہا کہ وہ کافر ہیں۔ مَیں نے کہا کہ تحقیقات کے بغیر کافر کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ پھر مولوی عبدالحیٔ صاحب بولے اچھا دوکاندار تو ضرور ہیں۔ (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہا کہ وہ دوکاندار تو ضرور ہیں)۔ مَیں نے کہا کہ اگر دوکاندار ہوتے تو وہ چیز پیش کرتے جسے ہر شخص خوشی سے لیتا ہے۔ ایسا مہنگا سودا پیش نہ کرتے جسے کوئی لیتا ہی نہیں ہے بلکہ الٹی مخالفت ہو رہی ہے۔ (ہر ایک کو اپنی اپنی دلیل سوجھتی ہے اور یہ بھی بڑی اچھی دلیل ہے۔) تو اس واقعہ کے بعد میرے دل میں بہت تحریک ہوئی اور مَیں تحقیقات کرتا رہا۔ جنوری یا فروری 1903ء میں مولوی فضل کریم صاحب یہاں تشریف لائے۔ مَیں نے ان کو علیحدگی میں حضرت صاحب کی بابت پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جس طرح وہابی لوگوں کو لوگ ناپسند کرتے تھے مگر وہ سچے نکلے۔ ایسے ہی گو آج کل مرزا صاحب کی مخالفت کی جارہی ہے مگر آخر یہ سچے ہی نکلیں گے۔ اس پر مَیں نے کہا کہ پھر آپ بیعت کیوں نہیں کرلیتے۔ انہوں نے کہا کہ مخالفت بہت ہوگئی ہے۔ مَیں نے کہا مَیں زمیندار ہوں۔ اپنی روزی کما کر کھاتا ہوں اور آپ حکیم ہیں۔ اس لئے آج ہی ہمیں بیعت کا خط لکھنا چاہئے۔ چنانچہ ہم نے بیعت کا خط لکھ دیا۔ جمعہ کا دن تھا مَیں نے یہاں اعلان کردیا کہ مَیں نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت کرلی ہے اور مولوی صاحب نے قلعہ میں اعلان کردیا۔ پھر مخالفت ہوتی رہی۔

حضرت محمد شاہ صاحبؓ ابن عبداللہ شاہ صاحب آف لدھیانہ لکھتے ہیں کہ میرا پہلے یہ خیال تھا کہ جو سید ہیں ان کو کسی دوسرے کی بیعت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا مقام اس سے گرتا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ کچھ مدت تک اسی خیال میں پختہ رہا۔ لیکن جب بھی کسی مجلس میں حضرت مرزا صاحب کا ذکر ہوتا۔ اگر تعریفی رنگ میں ہوتا تو دلچسپی سے سنتا اور جس مجلس میں مخالفت ہوتی اس مجلس میں بیٹھنا ناگوار گزرتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے قائل تھے لیکن جو سید کا ایک ٹائٹل لگا ہوا تھا، اس کی وجہ سے اَنا زیادہ بڑھ گئی تھی۔ کہتے ہیں اس مجلس میں نہ بیٹھتا۔ اٹھ کر چلا جاتا۔ آخر ایک روز کسی کے منہ سے بے پیر اور بے مرشد سن کر جو کہ کسی اور کو کہہ رہا تھا، خیال آیا کہ بے پیر اور بے مرشد تو ایک گالی ہے اور میں خود بھی بے پیر اور بے مرشد ہوں۔ (سید تو ہوں لیکن میرا کوئی پیر نہیں، اور مجھے کوئی پیر ماننے کو تیار نہیں ہے۔) کیا سید مستثنیٰ ہیں؟ (آج کل بھی بعض سیّدوں کا یہی حال ہے) خود ہی بعض گدی نشینوں کا خیال آ کر کہ بعض بڑے بڑے بزرگ گزرے ہیں اور سید تھے۔ انہوں نے بھی بعض غیر سید بزرگوں کی بیعت کر کے فیض حاصل کیا تھا۔ تو بہرحال کہتے ہیں ہمیں بھی اپنی جگہ فکر رہنے لگا لیکن کم علمی اور جہالت کی وجہ سے کسی سے دریافت تو نہ کیا۔ لیکن ایک مقصد دل میں رکھ کر بعض اچھے آدمیوں سے اپنے مقصد کے پورا ہو جانے کے واسطے کچھ وِرد پوچھنے اور کرنے شروع کر دیئے۔ (دعائیں بھی شروع کیں، کچھ وِرد کرنے شروع کر دیئے۔) اور مقصد یہی تھا کہ مرشد کامل اور سید مل جاوے۔ چنانچہ کافی عرصے تک چلّوں اور وِردوں کی دھن لگی رہی اور کرتا رہا۔ قبرستانوں میں، دریاؤں میں، کنوؤں پر اور پہاڑوں میں، بزرگوں کے مزاروں پر، غرضیکہ راتوں کو بھی خفیہ جگہوں پر جا جا کر چالیس چالیس دن چلّے کئے۔ (یعنی کہ ایک شوق تھا، لگن تھی کہ بہرحال کسی پیر و مرشد کو میں نے تلاش کرنا ہے۔) کچھ نہ بنا۔ آخر ایک روز مایوس ہو کر لیٹ گیا اور سو گیا۔ نیند میں ایک بزرگ کو دیکھا اس نے تسلی دی کہ بیٹا تمہیں جو مرشد ملے گا وہ سب کا مرشد ہو گا۔ اس کے ہوتے ہوئے سب پیر اور مرشد مات ہو جائیں گے۔ یہ نظارہ دیکھ کر دل کو تسلی ہو گئی اور یقین ہو گیا کہ مرشدِ کامل انشاء اللہ مل جاوے گا۔ آخر شروع 1905ء میں ایک رات مَیں نے دیکھا کہ ایک وسیع میدان ہے جو کہ بالکل صاف اور پاکیزہ کیا گیا ہے جیسے ایک بہت بڑا جلسہ گاہ ہو۔ نہایت صاف اور اس میں ایک سٹیج اونچی اور بادشاہوں کے لائق جس کی تعریف میرے جیسے کم علم سے نہیں ہو سکتی، تیار ہے۔ مجھ کو یہ شخص کہہ رہا ہے کہ یہاں آج کل نبیوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اجتماع ہے۔ اور رسولِ کریم یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آج اپنے پیارے بیٹے کو تخت پر بٹھانے آئیں گے۔ تو مَیں خوشی میں اچھلتا ہوا اور نہایت تیزی سے دوڑتا ہوا اس میدان میں سٹیج کے عین قریب سب سے پہلے ہانپتا ہوا اور سانس پھولا ہوا پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میدان کھچا کھچ نورانی شکل کے پاک لوگوں سے بھر گیا کہ معاً سب کی نظریں اوپر کی طرف کو دیکھنے لگیں۔ مَیں نے بھی اوپر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہوائی جہازوں کی طرح جھولے نہایت نفیس بنے ہوئے ہیں اور ان میں کسی میں ایک مرد ایک عورت یا دو عورتیں اور کسی میں فقط عورتیں یا فقط مرد آسمان سے نہایت آرام سے اترتے ہیں۔ مجھے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں نبی ہے اور یہ فلاں نبی ہے اور بہت سی امہات المؤمنین بھی مثلاً مائی صاحبہ حوّا، مائی صاحبہ ہاجرہ، مریم اور بی بی فاطمہ و خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن سب تشریف لے آئیں۔ اور جب سب نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام اور امہات المؤمنین آ کر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے اور اسی طرح انتظار ہونے لگا کہ جیسے جمعہ کے روز قادیان شریف مسجد اقصیٰ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا انتظار لوگ کرتے ہیں۔ (اُس زمانے کی بات ہے) اور بعض دفعہ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہنے لگتے ہیں کہ باپ بیٹا آتے ہی ہوں گے۔ کافی دیر کے بعد ایک جھولا اترا جو کہ سب جھولوں سے زیادہ سجا ہوا تھا۔ اس میں جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اتر کر سٹیج پر جو دو کرسیاں ساتھ ساتھ پڑی تھیں تشریف فرما ہوئے۔ پہلے مجھ کو رسولِ کریم ﷺ نے پھر حضرت مرزا صاحب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے السلام علیکم کہا۔ اور پہلے افتتاحی تقریر رسولِ کریم ﷺ نے کی اور فرمایا کہ میں اپنے بیٹے کو آپ سب نبیوں کے سامنے جس کے متعلق پہلے سے آپ لوگوں کو خبریں دی جا چکی ہیں، تخت پر بٹھاتا ہوں۔ پھر حضرت مرزا صاحب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقریر فرمائی۔ اس وقت مجھے سید کی حقیقت معلوم ہوئی اور حضرت صاحب کو دیکھا کہ وہ وہی لدھیانے کے سٹیشن والے ہی مرزا صاحب تھے۔ دوسرے روز سب سے پہلے بیعت کا خط لکھ دیا۔ ہزاروں ہزار برکتیں نازل ہوں مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور ان کی اولاد پر۔

حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی جنہوں نے 1897ء میں بیعت کی تھی اور 1899ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی زیارت ہوئی۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو مَیں نے ایک عربی قصیدہ سنایا۔ مسجد مبارک میں مغرب کی نماز

کے بعد چھت پر میں قصیدہ سنانے لگا۔ جب مَیں نے وہ شعر پڑھا جس میں مَیں نے اسلام کے علماء جو سلسلہ احمدیہ کے مخالف اور دشمن تھے، ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ کیا تم اپنی حماقت سے اپنے دجال کی تائید کرتے ہو؟ عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے ذریعہ جو زندوں کا تو نہیں البتہ مردوں کا سردار ہے۔ حضرت صاحب نے جب یہ شعر سنا تو آپ نے اس شعر کو بہت ہی پسند فرمایا اور فرمایا کہ یہ شعر بہت ہی اچھا ہے۔ (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں آنحضرت ﷺ کے مقام کو اونچا کرنے کے بارے میں عجیب تڑپ تھی۔ کوئی بات سنتے تھے تو اس پر انتہائی پسندیدگی کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔) اور کہتے ہیں کہ کہا اس کو دوبارہ پڑھو اور بار بار سناؤ۔ چنانچہ خاکسار نے اس شعر کو پھر دہرا کر پڑھا۔ اس کے بعد یہ شعر مجھے اب تک یاد ہی رہتا ہے اور جب مَیں اسے پڑھتا ہوں تو وہ سماں اور منظر حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس کا میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور روح کو مسرت بھی ہوتی ہے اور اس پیارے مسیح کی فرقت کے باعث طبیعت ایک حزن وغم اور حسرت بھی محسوس کرتی ہے۔ سو یہ شعر بھی میرے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یادگاروں میں سے بطور ایک یادگار کے ہے۔

پھر حضرت شیخ محمد اسماعیل صاحب ابن مکرم شیخ بابو جمال الدین صاحب روایت کرتے ہیں کہ "میرے والد صاحب نے 1898ء کے قریب حضرت اقدس کی بیعت کی تھی۔ وہ دھیلی میں سٹیشن ماسٹر تھے۔ جہلم کے پاس ایک جگہ ہے۔ وہاں ایک شخص نے حضرت اقدس کا ذکر کیا۔ انہوں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ قادیان جاکر اس شخص کو ضرور دیکھنا ہے۔ چنانچہ وہ رخصت لے کر گوجرانوالہ آئے اور یہاں سے قادیان گئے۔ بغیر کسی دلیل کے حضرت اقدس کا چہرہ دیکھ کر ہی وہ ایمان لے آئے۔ صاف دل کو کثرتِ اعجاز کی حاجت نہیں۔

حضرت میاں ابراہیم صاحبؓ ابن مکرم محمد بخش صاحب روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے سب سے پہلے حضرت اقدس کو اس وقت دیکھا جبکہ حضور جہلم تشریف لے جارہے تھے، واپسی پر بھی دیکھا تھا۔ پھر لاہور 1904ء میں، پھر 1905ء میں قادیان گیا۔ قادیان جانے سے پہلے مجھے ایک خواب آئی تھی جس کا مفہوم یہ تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ والد صاحب گھر سے باہر گئے ہوئے ہیں اور گھر میں صرف میں اور میری چھوٹی ہمشیرہ ہیں۔ دیکھا کہ دو آدمی دروازے پر آئے، دستک دی اور آواز دی۔ میں نے باہر نکل کر دروازہ کھولا۔ وہ دونوں میری درخواست پر اندر تشریف لے آئے۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے گھر کے صحن میں ایک دری اور تین کرسیاں بچھی ہوئی ہیں سامنے ایک میز بھی پڑی ہے۔ میں نے ان کو کرسیوں پر بٹھا دیا اور چھوٹی ہمشیرہ کو کہا کہ ان کے لئے چائے تیار کرو۔ وہ کوٹھے پر ایندھن لینے کے لئے گئی۔ (اس زمانے میں لکڑیاں اوپر رکھی ہوں گی) ابھی وہ سیڑھیوں پر ہی تھیں کہ ایک سیاہ رنگ کا اچھے قدوقامت کا سانڈ اندر آ گیا۔ (بڑا سارا بیل) اور ان آدمیوں کو دیکھ کر فوراً واپس ہوگیا۔ اور سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ مَیں نے شور ڈال دیا کہ میری ہمشیرہ کو مار دے گا۔ شور سن کر پہلے سیاہ داڑھی والے مہمان اٹھنے لگتے ہیں مگر سرخ داڑھی والے نے کہا کہ چونکہ یہ کام آپ نے میرے سپرد کیا ہوا ہے اس لئے یہ میرا کام ہے۔ چنانچہ وہ گئے۔ مَیں بھی پیچھے ہولیا۔ ہمشیرہ دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ اور اسے کچھ خراش لگی ہیں۔ مگر زخم نہیں لگا۔ ہم اوپر چلے گئے۔ سانڈھ ہماری مغربی دیوار پر انجن کی شکل میں تبدیل ہوگیا۔ اور دیوار پر آگے پیچھے چلنے لگا۔ کہتے ہیں جب دیوار کے آخری کونے پر پہنچا تو اس پر مہمان نے سوٹا مارا اور پیچھے کی طرف گر کر چُور چُور ہوگیا۔ ہم واپس آگئے اور وہ مہمان پھر کرسی پر بیٹھ گئے اور چائے پی۔ مجھے بھی انہوں نے پلائی۔ چائے پینے کے بعد کچھ دیر وہ بیٹھے رہے۔ باتیں کرتے رہے پھر کہنے لگے، برخوردار! ہمیں دیر ہوگئی ہے۔ اجازت دو تا کہ ہم جائیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ آپ مجھے بتائیں تو سہی کہ آپ کون ہیں تا مَیں اپنے والد صاحب کو بتا سکوں۔ میری اس عرض پر وہ دونوں خفیف سے مسکرائے۔ کالی داڑھی والے نے کہا کہ میرا نام محمد ہے اور ان کا نام احمد ہے۔ مَیں نے یہ سن کر نبی کریم ﷺ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا کہ پھر مجھے کچھ بتائیں۔ انہوں نے عربی زبان میں ایک کلمہ کہا جو مجھے یاد نہیں مگر اس کا مفہوم جو اُس وقت میرے ذہن میں تھا وہ یہ تھا کہ تیری زندگی کے تھوڑے دن بہت آرام سے گزریں گے۔ پھر مَیں نے مصافحہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اپنے باپ کو میرا السلام علیکم کہہ دینا۔ وہ باہر نکل گئے۔ مَیں نے ان کو رخصت کیا۔ ان کے جانے کے بعد خواب میں ہی میرے والد صاحب آ گئے۔ مَیں نے سارا واقعہ سنایا۔ وہ فوراً باہر گئے۔ اتنے میں میری نیند کھل گئی جس کا باعث یہ ہوا کہ میرے باپ نے مجھے آواز دی کہ اٹھ کر نماز پڑھو۔ کہتے ہیں، مَیں نے اپنے والد صاحب کو یہ خواب سنائی۔ اس دن جمعہ تھا۔ جمعہ کے وقت مَیں نے منشی احمد دین صاحب اپیل نویس کو یہ خواب سنائی انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں خود لکھ کر یا مجھ سے لکھوا کر بھیج دی اور چند روز بعد کہا کہ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ جلسے پر اس لڑکے کو ساتھ لے آؤ۔ اُن کی عمر چھوٹی تھی جب اللہ تعالیٰ نے خواب دکھائی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا کہ اس لڑکے کو ساتھ لے آؤ۔ چنانچہ جلسے پر مَیں گیا۔ جب ہم مسجد مبارک میں گئے تو دو تین بزرگ بیٹھے تھے۔ ہم نے ان سے مصافحہ کیا، اتنے میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ تشریف لے آئے۔ ہم کھڑے ہو گئے۔ مصافحہ کیا۔ پھر حضور بیٹھ گئے۔ منشی احمد دین صاحب نے عرض کی کہ حضور! یہ وہ لڑکا ہے جسے خواب آئی تھی۔ حضور نے مجھے گود میں بٹھا لیا اور فرمایا کہ وہ خواب سناؤ۔ چنانچہ مَیں نے وہ خواب سنائی۔ پھر اندر سے کھانا آیا۔ حضور نے کھایا اور دوستوں نے بھی کھایا۔ اور جب حضرت اقدس کھانا کھا چکے تو تبرک ہمارے درمیان تقسیم کر دیا۔ ہم نے وہاں بیٹھے ہی کھایا۔ میرے والد صاحب نے عرض کی کہ مجھے کوئی تبرک عنایت فرما دیں''۔ اللہ تعالیٰ اس طرح بھی بچوں کو خوابیں دکھاتا ہے۔ اس زمانہ میں بھی بعض چھوٹی عمر کے بچے خوابیں دیکھتے ہیں۔

حضرت شیخ محمد اسماعیل صاحبؓ ابن مکرم شیخ بابو جمال الدین صاحب روایت کرتے ہیں کہ ''مَیں جب دسویں کلاس میں پڑھتا تھا تو حضرت اقدسؑ کے مکان کے اردگرد ہمارا پہرہ ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ ہم پہرہ دے ہی رہے تھے کہ ہم نے حضرت اقدسؑ کی وفات کی خبر سنی۔ حضورؑ کے زمانہ میں جب ہم پہرہ دیتے تھے تو ہمارے ہاتھوں میں لاٹھیاں ہوا کرتی تھیں''۔

میاں فیروز دین صاحبؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور یہ جو نانبائی ہے یہ روٹیاں چُرا لیتا ہے۔ حضورؑ خاموش رہے۔ دوسرے دن پھر عرض کیا۔ حضورؑ خاموش رہے۔ تیسرے دن پھر عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: میر صاحب یہ تو ایک روٹی کے لئے دو دفعہ دوزخ میں جاتا ہے۔ ایک دفعہ نکالنے کے لئے اور ایک دفعہ لگانے کے لئے، اس سے بڑھ کر مَیں اس کو کیا سزا دوں گا؟ اگر کوئی اور اس سے اچھا آپ کو ملتا ہے تو آپ لے آئیں۔

بہر حال یہ چند واقعات ہیں جو میں نے اُس میں سے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے بھی ہر ایک کو ایمان اور ایقان میں بڑھائے اور یہ لوگ جن کی روایات ہیں یقیناً ان کی نسلیں بھی یہ واقعات سن رہی ہوں گی۔ ہوسکتا ہے کچھ یہاں موجود بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص و وفا میں بھی برکت ڈالے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو اخلاص اور وفا میں بڑھاتا چلا جائے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کے وارث ہم بھی اور ہماری آئندہ آنے والی نسلیں بھی بنتی چلی جائیں۔ اور جلد سے جلد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے جو غلبہ اسلام کی مہم ہے اس کو بڑی شان سے کامیاب اور پورا ہوتے ہوئے دیکھیں۔

خطاب کے آخر پر حضور انور نے اجتماعی دعا کروائی۔

(یہ روایات رجسٹر روایات (قلمی) نمبر 6 اور 10 سے لی گئی ہیں)۔

مجلس انصاراللہ بیت الفتوح ریجن کے زیر اہتمام
محفل سوال وجواب

مورخہ 27/نومبر 2010ء کو مجلس انصاراللہ بیت الفتوح ریجن کے زیر انتظام ایک محفل سوال و جواب کا انعقاد عمل میں آیا جس میں 56 مہمانان کرام شامل ہوئے۔ پروگرام کے منتظمین کو مکرم چودھری وسیم احمد صاحب صدر مجلس اور مکرم شیخ رفیق احمد صاحب قائد تبلیغ کا خصوصی تعاون حاصل رہا۔

پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ اس کے بعد مکرم ومحترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن نے بڑے مدلل اور خوبصورت انداز میں اسلام کی حسین تصویر پیش کی اور شدّت پسندی سے نفرت اور اس سے دُور رہنے کے بارے میں اسلامی تعلیمات سامعین کے سامنے رکھیں۔ اس تقریر کا حاضرین پر بہت گہرا اثر ہوا۔ بعدازاں حاضرین نے بہت سے سوالات بھی کیے جن کے جوابات محترم امام صاحب نے نہایت احسن طریق پر دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پروگرام کے اختتام پر ایک غیر از جماعت دوست نے بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔

مجلس انصاراللہ لندن ریجن کی خصوصی نشست

20/جنوری 2011ء کو نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد سرائے انصار میں امسال خدام الاحمدیہ سے آنے والے انصار کے لئے خصوصی نشست کا انعقاد کیا گیا۔ مکرمی چوہدری وسیم احمد صاحب صدر مجلس انصاراللہ یو کے کی زیر صدارت دعا کے ساتھ تقریب کا آغاز ہوا۔ مکرمی صدر مجلس نے نئے انصار کو مجلس انصاراللہ میں خوش آمدید کہا، مجلس میں فعال ممبر بننے کی نصیحت کی۔ مرکز اور ریجن میں خدمات کرنے کے لئے فوری جائزہ لیا گیا۔ اس اجلاس میں مکرم منصور احمد کاہلوں صاحب نائب صدر صفِ دوئم، مکرم رفیق جاوید صاحب نائب صدر وانچارج لندن ریجن، مکرم ظہیر جتوئی صاحب قائد عمومی اور مکرمی زعیم اعلیٰ لندن ریجن بھی شامل ہوئے۔ مکرمی صدر مجلس نے سب کا تعارف حاصل کیا اور کروایا۔

اس دوران شام کا کھانا بریانی اور گڑ والے چاول وغیرہ پیش کئے گئے۔ کھانے کی تیاری میں مکرم شیخ شاہد صاحب اور اُن کے اہل خانہ نے خصوصی تعاون کیا۔ آخر پر گروپ فوٹو بھی بنائے گئے۔ کُل حاضری 40 تھی۔

(رپورٹ: شکیل احمد بٹ۔ نائب زعیم اعلیٰ صفِ دوئم مجلس انصاراللہ لندن ریجن)

میثاق مدینہ

(تقریر بر موقع جلسہ سالانہ جرمنی جون 2010ء)

(ڈاکٹر افتخار احمد ایاز OBE)

خدا تعالیٰ کے مامور تاریکی کے دور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق قائم کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ ان کا اولین مطمع نظر دنیا میں عدل و انصاف اور اعلیٰ اخلاقی اقدار پر مبنی معاشرہ کا قیام ہوتا ہے۔ ظہور اسلام سے قبل عرب دنیا کچھ ایسی ہی صورتحال سے دوچار تھی وہ سخت اخلاقی گراوٹ، بے راہ روی اور بدامنی و فساد کا شکار تھی اور طرفہ یہ کہ انہیں اپنی اس جہالت پر فخر تھا وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر تلواریں نکال لیتے۔ بسا اوقات یہ قبائلی جھگڑے جنگوں کی صورت اختیار کر جاتے۔ اور انتقام کے نام پر قتل و غارت کا ایسا سلسلہ چلتا جو رکنے کا نام نہ لیتا تھا۔ الغرض اس زمانہ میں عرب میں ہر طرف ظلم و تعدی کا دور دورہ تھا جس کی اصلاح کے لئے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے۔ سر ولیم میور نے اس زمانہ کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

''محمد (ﷺ) کی جوانی کے زمانہ میں عرب ایک بندھی لکیر پر چلنے والے لوگ تھے۔ ملک کی حالت ہر قسم کے تغیر اور اصلاح کے سخت مخالف تھی بلکہ اس کی تاریخ میں شاید اس زمانہ سے بڑھ کر کوئی زمانہ نہیں گزرا جب اس کی اصلاح اس وقت سے زیادہ مشکل اور مایوس کن ہو۔ بت پرستی اور بنو اسماعیل کے توہمانہ عقائد کا دریا ہر سمت سے جوش مارتا ہوا کعبہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا۔''

یہ تھے وہ حالات جن کا سامنا مکہ میں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق قائم کرنے کے لئے تن تنہا جو آواز آپ نے اٹھائی اسے دبا دینے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ رسول کریمؐ اور آپ کے اصحاب کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا اور بالآخر آپ کو اپنا گھر اور وطن چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا گیا اور آپؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے مطابق ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے قیام امن اور عدل و انصاف کی ذمہ داری کو اپنی تعلیم اور عملی نمونہ سے، پہلے مکی دور اور پھر مدنی دور میں خوب ادا کر کے دکھایا۔ اس وقت موضوع گفتگو مدینہ کی پہلی آزادانہ اسلامی ریاست کے قیام کے وقت ہونے والے معاہدہ ''میثاق مدینہ'' کا کسی قدر تفصیلی جائزہ ہے۔

اس معاہدہ کے نتیجہ میں مدینہ اور اس کے ماحول میں موجود غیر مذاہب اور اقوام کے ساتھ منصفانہ برتاؤ اور حسن سلوک کے علاوہ آزادیٔ مذہب اور عدل و انصاف کے زریں اسلامی اصول کے عملی نمونے واضح ہو کر سامنے آئے۔

یہ ایسے بنیادی اصول اور قواعد و ضوابط تھے کہ دور حاضر میں اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 / دسمبر 1948ء کو دنیا کی مختلف اقوام اور تہذیبوں کے لئے تیس نکات پر مشتمل ایک چارٹر کے ذریعہ بین الاقوامی سطح پر حقوق انسانی کا اعلان کیا۔ اس چارٹر کا مقصد بیسویں صدی کے بگڑے ہوئے رسم و رواج، کمزوروں، اقلیتوں اور عورتوں کی حق تلفی، دوسروں کو غلام بنانے اور ان سے بے گار لینے جیسے مظالم سے نجات تھا۔ لیکن ساتویں صدی عیسوی میں عرب میں روا رکھے جانے والے مظالم، آج کے دور سے کہیں زیادہ سخت تھے۔ اس وقت ہمارے نبیؐ کی طرف سے حقوق انسانی کے جس چارٹر کا اعلان کیا گیا وہ تاریخ میں پہلا تحریری دستور کہلاتا ہے اور جو تمام بنیادی انسانی حقوق پر حاوی تھا۔ اس میں ریاست کے شہریوں کا حقِ زندگی، حقِ ملکیت اور آزادیٔ ضمیر و مذہب وغیرہ سب امور کا خیال رکھا گیا تھا۔ آج کی مہذب دنیا نے اپنے چارٹر کے ذریعہ ابھی تک بمشکل اس کی ابتدائی منازل ہی طے کی ہیں۔ جبکہ بانیٔ اسلام نے ساتویں صدی عیسوی میں میثاق مدینہ کے ذریعہ اس سے کہیں بہتر حقوق دینے کا عزم کیا تھا۔

پس آج سے چودہ سو سال قبل آنحضور ﷺ کا حقوق انسانی کا قیام کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ جاہلوں اور جنگلیوں کو ایک مہذب معاشرہ میں تبدیل کرنا تھا۔ آپؐ نے جس حکمت اور ہمدردانہ دعاؤں کے ساتھ یہ انقلاب برپا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

آنحضرتؐ کی ہجرت مدینہ سے بین الاقوامی، سیاسی اور انتظامی نوعیت کے بہت سے اصول و آداب بھی سامنے آئے۔ مکہ اور اس کے قرب و جوار میں جو لوگ اکا دکا مسلمان ہوئے اور جو مکہ کے گرد و نواح میں رہتے تھے ان کو تلقین کی گئی کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجائیں۔ تاکہ غیر اسلامی ماحول میں دوبارہ جذب ہونے کی بجائے وہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہو کر تربیت پائیں دوسرے اہل مدینہ کی تعداد میں اضافہ اس نئی اسلامی ریاست کی مزید مضبوطی کا باعث ہو۔ جب ہجرت کا عمل مکمل ہو گیا تو اس نے ایک ایسا بین الاقوامی معاشرہ قائم کر دیا جو اسلامی معیار کے لحاظ سے ایک مکمل اور قابل تقلید معاشرہ تھا۔ اس کے باوجود مدینہ منورہ کی ننھی منی شہری ریاست میں ہجرت کے ابتدائی سالوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم رہی۔ وہاں کے باشندوں کی اکثریت کئی سال تک یہودیوں اور مشرکین وغیرہ پر مشتمل تھی۔ منافقین ان کے علاوہ تھے جن کی تعداد ہزاروں میں نہیں تو سینکڑوں میں ضرور تھی اور شہر مدینہ ایک Cosmopolitan شہر بن گیا تھا جہاں مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف علاقائی پس منظر رکھنے والے باشندے نظر آنے لگے۔ اور دیکھتے دیکھتے مدینہ میں علاقائیت اور قبائلیت کی بجائے اسلامی عالمگیریت کا رنگ غالب آنے لگا اور اس مرکز اسلام سے پیغام حق ارد گرد علاقوں میں پہنچنے لگا۔

ان حالات میں آنحضرت ﷺ کی دور اندیش طبیعت سے یہ بعید تھا کہ جب شہر کے اندر مسلمانوں کے جان و مال معرض خطر میں تھے اور قریش مکہ کی عداوت کی وجہ سے اسلام کی موت اور زندگی کا سوال سامنے تھا مدینہ کے یہود اور مشرکین کو بغیر کسی معاہدہ کے چھوڑ دیتے۔ چنانچہ پہلے تو آپ نے اوس اور خزرج کے مسلمانوں کے اندرونی نظم و نسق کے متعلق چند قواعد فیصلہ فرمائے۔ پھر اتفاق رائے

سے یہود کے ساتھ ایک معاہدہ طے فرمایا جو باقاعدہ ضبط تحریر میں لایا گیا اور میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہے، جس کی طرف قرآن کریم اور احادیث میں بھی واضح اشارے ہیں اور پوری تفصیل تاریخ میں درج ہے۔ یہ معاہدہ بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے آج بھی رہنما حیثیت رکھتا ہے۔ خوش قسمتی سے چودہ سو سال بعد بھی اس تاریخی دستاویز کا مکمل متن ہمارے پاس موجود ہے۔ دور جدید کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ''دنیا کا پہلا تحریری دستور'' کے نام سے اپنی کتاب میں اس معاہدہ پر بحث کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ میثاق مدینہ کی حیثیت ایک ریاست کے دستور سے بھی بڑھ کر تھی۔ اور تحقیقی جائزہ لینے کے بعد واقعی اس معاہدہ کی دستوری دفعات اور آئینی انتظامات کے پیش نظر اسے دنیا کا پہلا دستور کہا جا سکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی تعلقات کی تاریخ میں اس معاہدہ کو ایک اہم اور عظیم الشان دستاویز کی حیثیت بھی حاصل رہے گی۔ اس کی سب سے نمایاں خوبی وہ حقوق ہیں جن کا پہلی بار اس میں اعلان کیا گیا اور جن سے آج بھی اسلام کے قانون بین الاقوامی کے بارہ میں بہت سے اصول اخذ کئے جا سکتے ہیں، اس معاہدہ نے مدینہ کے متحارب قبائل کے مابین جاری اس جنگ کو ختم کر دیا جس نے اس کی معاشرت کو تباہ کر دیا تھا۔ اسی طرح یہود کے ساتھ برابری کی سطح پر ایک دوسرے کی مدد اور موافقت کا معاہدہ ہوا۔ مدینہ منورہ سے باہر یہودیوں کے درجنوں قبائل آباد تھے ان میں قبائل بنو النفیر ، بنو قینقاع اور بنو قریظہ نسبتاً زیادہ معروف اور بااثر تھے ، وہ بھی اس معاہدہ میں فریق بن گئے اور ان سے رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے قانون بین الممالک کی برتری کو تسلیم کروالیا۔ اس پس منظر کے بعد اب میں میثاق مدینہ کی 53 شقوں میں سے صرف دس اہم اور موٹی موٹی شقیں ہی بیان کر سکوں گا کیونکہ پورا معاہدہ پیش کرنے کا وقت نہیں ہے۔ میثاق مدینہ کے شروع میں ہی اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''یہ نوشتہ یا دستاویز محمد (ﷺ) کی طرف سے ہے جو نبی ہیں، قریش اور اہل یثرب میں سے ایمانداروں اور اطاعت گزاروں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں۔

1۔ دوسرے لوگوں کے بالمقابل وہ ایک امت (سیاسی وحدت) ہوں گے۔

2۔ کوئی مسلمان یا اس کے اہل و عیال جماعت میں فتنہ و فساد اور تفرقہ پیدا نہیں کریں گے۔ مسلمان کے ہاتھوں اگر کوئی غیر مسلم مارا جائے تو قانون کے مطابق سزا ہوگی۔

3۔ معاہدہ میں شامل کوئی گروہ خون بہا کی مقررہ حدود میں تخفیف یا ترمیم نہیں کرے گا اس معاہدہ میں کوئی بے جا سفارش نہیں چلے گی۔

4۔ کسی غیر مسلم کو ناحق کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانے کی اجازت بھی نہ ہوگی۔

5۔ انصاف کے حصول کے لئے مسلمان کو یہودی کی مدد کرنے کی اجازت ہوگی۔

6۔ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو مسلمان کے خلاف پناہ نہیں دے گا نہ کسی غیر مسلم سے چھینے ہوئے مال کی حفاظت کا ضامن بنے گا۔

7۔ کوئی مسلمان کسی یہودی پر ناحق تہمت نہیں لگائے گا۔

8۔ یہود اور مسلمان باہم خیر خواہی سے رہیں گے۔

9۔ فریقین اپنے ہمسائے کی حفاظت کریں گے خواہ اس کا مذہب کوئی بھی ہو۔

10۔ فساد اور شرارت کرنے والوں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

اس معاہدے میں اسلامی معاشرہ کے نظم و نسق سے متعلق متعدد رہنما اصول ملتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ اس معاہدہ کی رو سے مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی تعلقات منضبط ہو گئے۔ اور مدینہ میں ایک منظم حکومت کی بنیاد قائم ہوگئی جس کے ماتحت ہر قوم اپنے اپنے اندرونی معاملات میں آزاد ہونے کے ایک اجتماعی قانون اور مرکزی حکومت کے ماتحت آ گئی اور اس مرکزی حکومت کے صدر آنحضرت ﷺ قرار پائے۔

اس سے یہ بات صاف عیاں ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کس قدر امن کے دلدادہ تھے اور ہوتے بھی کیوں نہ کیونکہ اسلام کے معنی ہی امن اور سلامتی کے ہیں اور یہی تعلیم آپ دنیا کے لئے لے کر آئے تھے اور رحمۃ اللعالمین بن کر آئے تھے۔ پس یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ آپ ایک قوم کے ساتھ معاہدہ فرمائیں اور اس میں وہ باتیں داخل نہ ہوں جو کہ امن خوشی اور خوشحالی کی ضمانت ہوں۔

پس آپ نے خصوصیت کے ساتھ معاہدہ میں وہ باتیں شامل فرمائیں جس سے کہ لوگ فتنہ و فساد اور بغاوت کے طریق سے بچتے رہیں اور تا مدینہ اور اس کے اردگرد ایک پُرامن معاشرہ قائم ہو سکے۔

معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ: ''یہودی قبائل جو مدینہ کے مختلف قبائل کے ماتحت معاہدہ کر چکے تھے ان کے حقوق مسلمانوں کے سے حقوق ہوں گے''۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کو ان کے حقوق کے لحاظ سے مسلمانوں کے برابر رکھا اور نہ صرف یہودیوں کو بلکہ ان کے حلیف کو بھی جن کے ساتھ یہودیوں نے معاہدہ کیا تھا ان کو بھی آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے برابر حقوق عطا فرمائے۔

ایک شق یہ تھی کہ: ''یہودی اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب پر قائم رہیں گے''۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر ایک کو مکمل طور پر مذہبی آزادی عطا فرمائی کہ جو جس مذہب پر رہنا چاہے رہ سکتا ہے۔ گویا آنحضرت ﷺ نے اس دن یہ اعلان فرمادیا کہ یہودی کو اسلام لانے پر زور نہیں دیا جائے گا۔ وہ اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں۔ اور اپنی مذہبی رسومات اور عادات آزادی کے ساتھ بجا لا سکتے ہیں اور کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ ان سے اس معاملہ میں کسی قسم کا اختلاف کرے اور ان کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی کرے۔ یہ کتنی بڑی آزادی تھی جو آنحضرت ﷺ نے غیروں کو عطا کی باوجود اس کے آپ کی بعثت کا مقصد توحید کا قیام تھا اور اس کائنات میں کوئی چیز آپ کو توحید سے زیادہ عزیز نہیں تھی پھر بھی آپ کی طرف سے یہ اعلان عام تھا کہ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہر شخص اپنی مرضی کا دین اختیار کر سکتا ہے۔

(ا) اس معاہدہ اور میثاق کا اطلاق عصر حاضر میں مستعمل اصطلاح لفظ ''دستور'' پر ہوتا ہے۔ اس میثاق اور معاہدے کی شکل میں دراصل اس وقت کے دستور کا ہی اعلان تھا کیونکہ اس میثاق اور معاہدے کی تمام شقیں موجودہ دور کے جدید دستور

سے بڑھ کر ہیں، اس میثاق میں ریاست کے داخلی اور خارجی امور پر واضح احکامات موجود تھے، اور اس میں وہ اصول وقوانین بھی تھے جن سے باہم ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات قائم کرسکتے ہیں۔ اس دستور کی تکمیل کے متعلق یہی بات کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحی الٰہی کی روشنی میں اسے وضع فرما کر اپنے صحابہ کرام کو لکھوایا۔ اور اس دستور کو جملہ مسلمانوں اور ان کے پڑوسی یہودیوں کے درمیان متفقہ بنیاد قرار دیا۔ اس طرح اسلامی معاشرہ روز اول سے ہی ایک مکمل دستور کی بنیاد پر قائم ہوا۔

اس دستور کے جملہ نکات اسلامی معاشرے کے شرعی احکام کی تعمیل کرنے میں بھی بنیادی حیثیت اختیار کر گئے کیونکہ اس میں وحدت امت مسلمہ کی فکر اور دیگر تنظیمی اور اداراتی نظم ونسق کے بارے میں شقیں موجود تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی جگہ پر اس وقت تک نہ کوئی اسلامی حکومت قائم ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس کا قانون چل سکتا ہے جبتک کہ دستوری تنظیم قائم نہ ہو جس کو رسول اللہ ﷺ نے تشکیل دیا۔

یہاں میثاق مدینہ کی کچھ اور خصوصیات بھی بیان کرنی مناسب ہونگی۔

اس میثاق کا پہلا نکتہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دین اسلام وہ واحد دین ہے جو مسلمانوں کی وحدت کو یقینی بناتا ہے اور مسلمانوں کو امت واحدہ کی شکل دیتا ہے۔ اس حقیقت کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر پائے جانے والے جملہ فرق اور ہر قسم کی تمیز ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ وہ پہلی اساس ہے جو ایک مضبوط، پرامن اور پاکیزہ معاشرے کی عمارت قائم کرنے کے لئے ضروری ہے۔

میثاق مدینہ کا دوسرا اور تیسرا نکتہ اسلامی معاشرے کی اہم خصوصیات کو اجاگر کرتا ہے، اس سے مسلمانوں کا آپس میں باہمی کفالت اور ضمانت کا تصور بہترین شکل میں سامنے آتا ہے کیونکہ مسلمان اپنے دینی و دنیوی معاملات میں ایک دوسرے کے ذمہ دار ہیں، شریعت اسلامیہ کے جملہ احکام اسی ذمہ داری کی بنیاد پر قائم ہیں، اور یہ معاہدہ مسلمانوں کے درمیان ان کے باہمی کفالت کے نظام کو کئی طریقوں اور کئی شکلوں میں نافذ کرنے کی نشاندہی کرتا ہے۔

میثاق مدینہ کا پانچواں اور چھٹا نکتہ مسلمانوں میں پائی جانے والی ایک مضبوط مساوات کو ظاہر کرتا ہے، یہ مساوات حقیقی طور پر اسلامی معاشرے کا ایک اہم ستون ہے، جس پر پوری طرح عمل کرنا اور معاشرے میں اس کو نافذ کرنا واجب اور ضروری ہے۔ مسلمانوں کی مساوات کا مظہر میثاق مدینہ کی وہ شق ہے، جس کے مطابق طے پایا کہ:۔ ذمةُ اللّٰہ واحدةٌ یُجِیْرُ علیھم یعنی اللہ تعالیٰ کا ذمہ ایک ہے، مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دیدے تو اس کی پابندی سب پر لازم ہے۔

کوئی بھی مسلمان جو کسی کو پناہ دیتا ہے، اس کی پناہ اور ذمہ داری کا احترام کیا جائے گا اور مسلمان کی پناہ میں آیا ہوا ہر شخص محفوظ رہے گا، کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا خواہ حاکم ہو یا محکوم وہ کسی مسلمان کی پناہ میں آئے ہوئے کسی شخص پر دست درازی کرے۔ اس حکم میں مسلمان عورت بھی مسلمان مرد سے علیحدہ نہیں، بلکہ کسی مسلمان عورت کی پناہ میں آئے ہوئے شخص کو بھی ویسے ہی محفوظ سمجھا جائے گا اور اس مسلمان عورت کی پناہ کا احترام کیا جائے گا۔

یہ وہ بنیادی احکام وضوابط ہیں جن پر یہ میثاق مدینہ مشتمل تھا اور اسی بنیاد پر مدینہ منورہ میں حضور اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست قائم فرمائی اور مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ نے جدید معاشرہ کے قیام کا طریق اور لائحہ عمل وضع فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی اس میثاق مدینہ میں کئی احکام شریعت پوشیدہ ہیں جو غور وتامّل سے واضح ہوسکتے ہیں اس میثاق ومعاہدے سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اور اس کے جملہ احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہوتے ہوئے ہی اسلامی ریاست مضبوط ستونوں اور قومی بنیادوں پر قائم ہوئی پھر یہ ریاست شرق وغرب میں تیزی سے پھیلتی چلی گئی جو انسانیت کی عظمت اور ترقی کی علامت بنی اور اس نے لوگوں کے سامنے صحیح تہذیب وتمدن اور عظیم ثقافت کے درخشاں مظاہرے پیش کئے۔

مگر جس طرح ریاست مدینہ کے آئین میں رنگ ونسل اور جنس کے امتیاز کے بغیر بنیادی انسانی حقوق کی واضح اور یقینی طور پر ضمانت دی گئی۔ اسی طرح جان و مال اور آبرو کے تحفظ میں بھی ریاستی شہریوں میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا گیا۔

الغرض میثاق مدینہ کا عظیم الشان معاہدہ قیام امن اور انصاف کے لئے اپنے مخصوص پس منظر میں رسول اللہ کا ایک اہم کارنامہ تھا۔ جس کی خصوصیات دور حاضر کے ایسے معاہدات سے موازنہ میں نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔ خصوصاً جب ہم ایسے معاہدات کے مندرجات اور ان پر عمل درآمد کی کیفیت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ معاہدہ بہت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے...... چنانچہ مغربی دنیا میں سن 1215 میں King John کے Magna Carta پر دستخط کرنا آئین اور تمدن متعارف کروانے کے مترادف تھا۔ لیکن اگر Magna Carta کا موازنہ Constitution of Madina سے کیا جائے یا 1689 میں جاری ہونے والے Bill of Rights سے یا 1700 میں The Act of Settlelment سے یا پھر 1911 میں The Act of Parliament سے کہ ان میں جو وعدے شہری حقوق کے کئے گئے اس سے کئی صدیاں قبل میثاق مدینہ میں ان حقوق کو بہتر رنگ میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔

امریکہ کا Constitutional Convention ہو یا Charter of United Nations ان کے تقابلی مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ اپنے ماحول، پس منظر اور تمدن کے اعتبار سے میثاق مدینہ کہیں زیادہ شان اور عظمت رکھتا ہے۔

چنانچہ 26/جون 1945 کو اقوام متحدہ کے چارٹر منظوری کے وقت اس کے قیام کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے خلاصہ یہ بیان کیا گیا کہ

''عالمی سطح پر اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور انسانی حقوق کے مسائل کو حل کرنے کے لئے بین الاقوامی تعاون کا حصول تاکہ انسانی حقوق کا فروغ وحوصلہ افزائی اور بغیر نسل جنس، زبان یا مذہب کی تجویز کے بنیادی آزادیوں کی فراہمی ممکن ہوسکے''۔ اس طرح اس چارٹر کے آرٹیکل 55 میں بنیادی حقوق کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ طے کیا گیا:

''عالمی سطح پر اقوام عالم کے مابین برابر حقوق اور عوام کے حق خود ارادیت کے اصول کی بنیاد پر امن اور دوستانہ تعلقات کے قیام کے لئے اولین ضرورت یعنی استحکام اور بہبود کے حصول کے لئے اقوام متحدہ بایں طور کوشاں رہے گی کہ:۔

(الف) اعلیٰ معیار زندگی، کلّی روزگار، اور اقتصادی و سماجی ترقی کو فروغ دیا جائیگا۔
(ب) بین الاقوامی اقتصادی، سماجی اور صحت سے متعلقہ مسائل کو حل کیا جائے گا اور بین الاقوامی ثقافت و تعلیمی تعاون کو فروغ دیا جائے گا اور
(ج) عالمی سطح پر رنگ و نسل، جنس، زبان یا مذہب کے امتیاز کے بغیر انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام کو فروغ دیا جائے گا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اقوام متحدہ کا 10 دسمبر 1948ء کو منظور کیا جانے والا "عالمی منشور حقوق انسانی"، کوئی معاہدہ نہیں بلکہ ایک اعلان تھا جس کی پابندی تمام اقوام عالم کے لئے ضروری تھی پھر بھی کئی ممالک نے اس کے حق میں ووٹ دینے سے اجتناب کر کے اس میں شرکت سے انکار کیا گویا آج کے ترقی یافتہ دَور میں بھی مغربی معاشرہ میں بنیادی حقوق کی صورتحال اتنی حوصلہ افزا نہیں۔ جتنا میثاق مدینہ میں ہر فریق کو ان حقوق کی ادائیگی کے لئے پابند کیا گیا تھا۔

میثاق مدینہ کی شقوں سے ظاہر ہے کہ مدینہ میں اسلامی حکومت کے ساتھ ہی ہر شہری کے بنیادی حقوق کی حفاظت کا اعلان کیا گیا۔ اس ضمن میں یہ امر پوری طرح واضح کر دیا گیا کہ ایک شہری کو حقوق کے حصول میں اختلاف مذہب رنگ، نسل، زبان کا کوئی دخل نہ ہوگا۔

پس میثاق مدینہ جہاں ایک طرف یونائیٹڈ نیشنز کے لئے مشعل راہ ہے وہاں مسلمان حکومتوں کے لئے بھی لمحہ فکریہ ہے جو میثاق مدینہ کی داعی اور یونائیٹڈ نیشنز کے چارٹر پر بھی دستخط کر چکی ہیں۔

اب بین الاقوامی چارٹر کے ان حصوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو دراصل آج کی ماڈرن سوسائٹی اور پندرہ سال قبل طے پانے والے Islamic Charter of Human Rights کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور ہر عقلمند کے لئے غور و فکر کی دعوت دینے والا ہے خواہ اس کا مذہب ملک، رنگ، نسل، زبان کوئی بھی ہو۔

1 آرٹیکل کے مطابق تمام انسان آزاد ہیں اور برابر کے حقوق رکھتے ہیں۔
2 آرٹیکل میں کہا گیا ہے کہ انسانوں کے حقوق متعین کرتے وقت نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور اس کی سیاسی وابستگی سے بالاتر ہو کر فیصلہ کیا جائے گا۔
3 آرٹیکل 6 اور 7 میں کہا گیا ہے کہ تمام انسان قانون کے سامنے برابر حقوق رکھتے ہیں۔ آرٹیکل 9 میں کہا گیا ہے کہ بلا جواز کسی کو جیل میں نہیں رکھا جائے گا اور نہ ہی اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا جائے گا۔
4 آرٹیکل 12 اور 16 میں کہا گیا ہے کہ ہر انسان کی فیملی ہو، شادی کرے اور اس کی نجی زندگی کو تسلیم کیا جائے گا اور اس میں دخل نہیں دیا جائے گا۔
5 آرٹیکل 14 میں کہا گیا ہے کہ کوئی بھی انسان اپنے وطن کے مظالم سے بچنے کے لئے دوسرے میں اسائیلم لے سکتا ہے۔
6 آرٹیکل 17 میں جائیداد رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔
7 آرٹیکل 19 و 20 میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے اور اپنے خیالات دوسروں تک پہنچانے اور جلسہ اجلاسات منعقد کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔
8 آرٹیکل 22 اور 26 میں اپنی پسند کی تعلیم سکول میں حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اچھی صحت اس کا حق ہے۔

UNO کے چارٹر اور میثاق مدینہ کے قبول کرنے میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ میثاق مدینہ کے اعلان کے بعد مدینہ کی اسلامی حکومت نے نہ صرف دل و جان سے اس پر عمل کی کوشش کی بلکہ تمام معاہدین سے بھی اس پر عمل کروایا جبکہ UNO کے چارٹر پر دستخط کرنے سے کئی ممالک گریزاں رہے اور ہچکچاہٹ کا ابتداً اظہار کرتے ہوئے اگر دستخط کئے بھی تو اس پر عمل سے گریزاں رہے۔

چنانچہ مغرب میں مدتوں عورت کو قانونی بنیادوں پر بنیادی حقوق سے محروم رکھا گیا۔ "حتیٰ کہ (امریکہ میں) انیسویں ترمیم کے منظور ہونے سے قبل عورتوں کو حق رائے دہی بھی حاصل نہ تھا اگرچہ یہ بات اتنے زیادہ لوگوں کو معلوم نہیں مگر اہم ضرور ہے کہ 1824ء میں سپریم کورٹ نے مردوں کا یہ حق قرار دیا تھا کہ وہ عورتوں کو زدوکوب کر سکتے ہیں۔ اگرچہ اس امریکی عدالت عالیہ نے اسے 1891ء میں غیر قانونی قرار دے دیا۔ عورتوں کے لئے امتیازی سلوک کی ایک اور مثال یہ ہے کہ ایک اور مقدمے میں امریکی عدالت عالیہ کا یہ فیصلہ ہے کہ چودھویں آئینی ترمیم کے مساوی حقوق کے حصے کا اطلاق عورتوں پر نہیں ہوتا۔ یعنی انہیں معاشرہ میں مردوں کے برابر حقوق نہیں دئے جا سکتے"۔

(D.Stanley Fitzen, In Conflict and Disorder)

آنحضرت ﷺ نے مکہ سے یثرب ہجرت فرمائی تو اہل مدینہ کے جن گروہوں سے معاہدہ ہوا اس میں یہود کے تین قبائل بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنو نضیر شامل تھے۔ اس معاہدہ کے مطابق یہود اور مسلمان امت واحدہ کے طور پر ریاست مدینہ کے باسی تھے۔ نبی کریمؐ نے ہمیشہ اس معاہدہ کا نہ صرف ایفاء اور احترام فرمایا بلکہ یہود کے حق میں عادلانہ فیصلے فرمائے۔

عبداللہ بن ابی حدرد الاسلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی کا ان کے ذمے چار درہم قرض تھا جس کی میعاد ختم ہوگئی۔ اس یہودی نے آ کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ اس شخص کے ذمے میرے چار درہم ہیں اور یہ مجھے ادا نہیں کرتا۔ رسول اللہؐ نے عبداللہؓ سے کہا کہ اس یہودی کا حق دے دو۔ عبداللہؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ مجھے قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ آپؐ نے دوبارہ فرمایا "اس کا حق اسے لوٹا دو"۔ عبداللہؓ نے پھر وہی عذر کیا اور کہا کہ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ آپؐ ہمیں خیبر بھجوائیں گے اور مال غنیمت میں سے کچھ حصہ دیں گے تو واپس آ کر میں اس کا قرض چکا دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا "ابھی اس کا حق ادا کرو"۔ نبی کریمؐ جب کوئی بات تین دفعہ فرما دیتے تھے وہ قطعی فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ عبداللہؓ اسی وقت وہاں سے بازار گئے۔ انہوں نے ایک چادر بطور تہہ بند کے باندھ رکھی تھی۔ سر کا کپڑا اتار کر تہہ بند کی جگہ باندھا اور چادر چار درہم میں بیچ کر قرض ادا کر دیا۔ اتنے میں وہاں سے ایک بڑھیا گزری۔ وہ کہنے لگی "اے رسول اللہؐ کے صحابی آپ کو کیا ہوا؟" عبداللہؓ نے سارا واقعہ سنایا تو اس نے اسی وقت اپنی چادر جو اوڑھ رکھی تھی ان کو دے دی اور یوں رسول اللہؐ کے عادلانہ فیصلے کی برکت سے دونوں فریق کا بھلا ہوگیا۔ مگر آپؐ نے یہودی کے حق میں ڈگری کر کے عدل و انصاف کی مثال قائم فرما دی اسی طرح ایک دفعہ ایک یہودی بازار میں سودا بیچ رہا تھا، اسے ایک مسلمان نے کسی چیز کی تھوڑی قیمت بتائی،

جو اُسے ناگوار گزری۔ اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰؑ کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے۔ اس بات پر مسلمان نے اس کو تھپڑ رسید کر دیا اور کہا کہ نبی کریمؐ پر موسیٰؑ کو فضیلت دیتے ہو۔ وہ یہودی رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے ابو القاسمؐ ہم آپ کی ذمہ داری اور امان میں ہیں اور آپؐ کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہے اور اس مسلمان نے مجھے تھپڑ مار کر زیادتی کی ہے۔ نبی کریمؐ اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا مجھے نبیوں کے مابین فضیلت نہ دیا کرو۔

اس میں کیا شک ہے کہ نبی کریمؐ کو تمام انبیاء پر فضیلت حاصل ہے لیکن آپؐ نے ایثار اور انکسار کو کام میں لاتے ہوئے یہی فیصلہ فرمایا کہ ایسی باتوں سے ماحول میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

یہودی قبیلہ بنو نضیر کی طرف سے مختلف مواقع پر نبی کریمؐ اور مسلمانوں کے خلاف مختلف اسباب جنگ پیدا ہوتے رہے ہیں انہوں نے چھت سے پتھر گرا کر آپ کو قتل کرنے کی بھی سازش کی۔ مگر آپؐ انہیں ڈھیل دیتے رہے اور درگزر فرمایا۔ لیکن جب آخری واقعہ پتھر گرانے کا ہوا، تو آپؐ نے انہیں ان کی ساری کاروائیاں جتلا کر ان کے خلاف فوج کشی فرمائی۔

اس کے برعکس یہود نے مسلسل عہد شکنی اور غداری کی جس کے نتیجہ میں بالآخر ان کو مدینہ بدر کرنا پڑا لیکن رسول اللہ ﷺ پر کبھی کسی یہودی کو عہد شکنی کا الزام تک لگانے کی جرأت نہ ہوئی۔ (بخاری)

نبی کریم ﷺ نے یہودی جنازوں کا بھی احترام کیا ایک دفعہ آپ کسی یہودی کا جنازہ آتے دیکھ کر کھڑے ہو گئے صحابہ نے عرض کیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے فرمایا کیا وہ انسان نہیں تھا۔ (بخاری)

نبی کریمؐ نے اپنے عادلانہ اصولوں کی بناء پر عیسائیوں سے بھی تعلقات رکھے اور انہیں مکمل مذہبی آزادی دی۔

اہل نجران سے جو معاہدہ ہوا اس میں انہیں مذہبی آزادی کے مکمل حقوق عطا کئے گئے۔ معاہدہ یہ ہوا کہ وہ دو ہزار چادریں سالانہ مسلمانوں کو بطور جزیہ دیں گے نیز یمن میں خطرے کی صورت میں تیس گھوڑے، تیس اونٹ، تیس ہتھیار ہر قسم کے یعنی تلوار، تیر، نیزے عاریتاً مسلمانوں کو دیں گے۔ جو مسلمان بعد استعمال واپس کر دیں گے۔ مسلمان ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کریں گے۔ ان کے تمام مالکانہ حقوق مسلّم ہوں گے۔ ان کا کوئی گرجا گرایا نہیں جائے گا، نہ ہی کسی اُسقف یا کسی پادری کو بے دخل کیا جائے گا اور نہ ان کے حقوق میں کوئی تبدیلی یا کمی بیشی ہوگی، نہ ہی ان کی حکومت اور ملکیت میں۔ نہ انہیں ان کے دین سے ہٹایا جائے گا جب تک وہ معاہدہ کے پابند رہیں گے۔ ان شرائط کی پابندی کی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم یا زیادتی نہیں ہوگی۔ (ابوداؤد کتاب الخراج)

اسلام نے عہد کی پابندی پر بہت زور دیا ہے اور آنحضرت ﷺ پوری زندگی اس تعلیم پر دل و جان سے کاربند رہے اور اپنی امت کو بھی سختی سے اس پر کاربند رہنے کی تعلیم دی۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا کہ اپنے عہد کو پورا کرو۔ تمہارے کئے گئے عہد کے بارہ میں تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کس حد تک اس کو نبھایا اور اس کی پابندی کی۔ پس

آنحضرت ﷺ کی شان سے یہ بعید۔ تھا کہ اپنے معاہدات کی پابندی نہ کرتے بلکہ جب کبھی اس کی خلاف ورزی ہوئی وہ آپ کے مخالفین کی طرف سے ہی ہوئی ہے۔

چنانچہ آنحضور ﷺ نے میثاق مدینہ کی آخری شق سے ایفائے عہد کی روح اور اہمیت کا خلاصہ بیان فرما دیا۔ آپ نے فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ جَارٌ لِمَنْ بَرَّ وَاتَّقٰى وَمُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی خدا اس شخص کا حامی ہے جو عہد و اقرار میں وفا شعار اور پرہیزگار رہو۔

اور دنیا جانتی کہ قیام پاکستان کے وقت جماعت احمدیہ مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دے کر قیام پاکستان کے اس معاہدہ میں شریک ہوگئی جس کی وضاحت بانیٔ ریاست قائداعظم محمد علی جناح نے ان الفاظ میں فرمائی کہ:

You are free to go to your Temples, you are free to go to your Mosques or to any other place of worship in this state of Pakistan. You may belong to any religion or caste or creed. That has nothing to do with the buisness of the state.

(Jinnah , Presiedential addres to the first Constitunet Assembly of Pakistan , Karachi , 11 August 1947)

ترجمہ: آپ مملکت پاکستان میں اپنے مندروں اور اپنی مسجدوں یا کسی بھی عبادت گاہ میں جہاں بھی آپ جانا چاہتے ہیں جانے میں آزاد ہیں آپ کا تعلق کس مذہب سے ہے آپ کی کیا ذات ہے آپ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس کا مملکت پاکستان کے امور کی انجام دہی کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔

لیکن صرف 27 سال بعد جب ابھی پاکستان میں پہلی نسل جوان ہوئی تھی اس معاہدہ کی دھجیاں حکومت پاکستان نے بکھیرتے ہوئے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا۔ اور اس پر طرفہ یہ کہ ان کے 10 سال بعد ایک اور آمر کے ذریعے احمدیوں کے تمام مذہبی حقوق سلب کر لئے گئے۔ احمدیوں کی دینی اصطلاحات پر پابندی لگا دی گئی ان کی اذان جو اقرار توحید و رسالت پر مشتمل تھی قانوناً خاموش کر دی گئی ان کی تبلیغ پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اُن کا حق کو دارادیت سلب کر لیا گیا جس سے وہ آج تک محروم ہیں۔ احمدیت کے شیدائی اور محبِ وطن ملک کے سلامیت کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کرتے رہے اور آج تک اسلام کی سلامیت کے لئے اپنے خونوں کا نذرانہ پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن سنو اُس مردِ حق کی صدا جس نے زمانہ کے بدترین آمر اور فرعون کو للکارا تھا:

خوں شہیدانِ امّت کا اے کم نظر، رائیگاں کب گیا تھا کہ اب جائے گا
ہر شہادت ترے دیکھتے دیکھتے پھول پھل لائے گی، پھول پھل جائے گی

اے کاش مسلمانان پاکستان میثاق مدینہ سے ہی کامیاب ریاست کا سبق سیکھ لیتے۔ لیکن جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

''ایسے لوگوں کا فیصلہ تو اب خدا ہی کرے گا۔ خدا تعالیٰ اگرچہ سزا دینے میں دھیما ہے مگر جو لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے وہ آخر پکڑے جاتے ہیں اور ضرور پکڑے جاتے ہیں۔'' (ملفوظات جلد پنجم۔ صفحہ 413-412 جدید ایڈیشن)

میثاق مدینہ، حقوق انسانی کے علمبردار اور قیام امن کے ضامن معاہدہ کی تعریف کرتے ہوئے آر۔ اے۔ نکلسن رقم طراز ہیں:

"یہ دستوری دستاویز آپ کی عظیم سیاسی بصیرت کی عکاس ہے کیوں کہ اس کے تحت اس مثالی امت کا وجود عمل میں آیا جس کے لئے آپؐ نے جدوجہد کی تھی۔اور جو مذہبی مظہر کی حامل تھی اور اس کی تشکیل عملی بصیرت کی بناء پر کی گئی تھی۔(اس ریاست میں دستور کے تحت) اعلیٰ ترین اقتدار اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کا تھا جن کے سامنے امت کے تمام اہم معاملے پیش کئے جاتے تھے تاہم امت میں یہودی اور غیر مسلم بھی شامل تھے"۔

چنانچہ اس زمانہ میں حضرت رسول اکرم ﷺ کے عاشق صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک بار پھر میثاق مدینہ کی روح کو تازگی بخشی۔آپؑ نے بھی غیر مسلموں کو معاہدہ کی دعوت دی کہ وہ مختلف قوموں کے نبیوں اور رسولوں کی توہین اور ان کو گالیاں دینا ترک کر دیں کیونکہ یہ ایک ایسی زہر ہے کہ نہ صرف انجام کار جسم کو ہلاک کرتی ہے بلکہ روح کو بھی ہلاک کر کے دین و دنیا دونوں کو تباہ کرتی ہے۔ چنانچہ آپؑ نے مختلف دین و مذاہب کے لوگوں کو صفائے سینہ اور نیک نیتی کے ساتھ ایک دوسرے کے رفیق بن جانے کی دعوت دی اور دین و دنیا کی مشکلات میں ایک دوسرے کی ہمدردی کی دعوت دی۔ایسی ہمدردی کہ گویا ایک دوسرے کے اعضاء بن جائیں۔آپؑ فرماتے ہیں:

"اے سامعین ہم سب کیا مسلمان اور کیا ہندو باوجود صدہا اختلافات کے اس خدا پر ایمان لانے میں شریک ہیں جو دنیا کا خالق اور مالک ہے اور ایسا ہی ہم سب انسان کے نام میں بھی شراکت رکھتے ہیں۔یعنی ہم سب انسان کہلاتے ہیں۔اور ایسا ہی بباعث ایک ہی ملک کے باشندہ ہونے کے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔اس لئے ہمارا فرض ہے کہ صفائے سینہ اور نیک نیت کے ساتھ ایک دوسرے کے رفیق بن جائیں اور دین و دنیا کی مشکلات میں ایک دوسرے کی ہمدردی کریں۔اور ایسی ہمدردی کریں کہ گویا ایک دوسرے کے اعضاء بن جائیں۔

اے ہموطنو! وہ دین دین نہیں ہے جس میں عام ہمدردی کی تعلیم نہ ہو۔اور نہ وہ انسان انسان ہے جس میں ہمدردی کا مادہ نہ ہو۔مثلاً جو جو انسانی طاقتیں اور قوتیں ......قدیم قوموں کو دی گئی ہیں۔وہی تمام قوتیں عربوں اور فارسیوں اور شامیوں اور چینیوں اور جاپانیوں اور یورپ اور امریکہ کی قوموں کو بھی عطا کی گئی ہیں۔سب کے لئے خدا کی زمین امن کا کام دیتی ہے اور سب کے لئے اس کا سورج اور چاند اور کئی اور ستارے روشن چراغ کا کام دے رہے ہیں اور دوسری خدمات بھی بجالاتے ہیں ...... پس یہ اخلاق ربانی ہمیں سبق دیتے ہیں کہ ہم بھی اپنے بنی نوع انسانوں سے مروت اور سلوک کے ساتھ پیش آویں اور تنگ دل اور تنگ ظرف نہ بنیں۔"

(پیغام صلح صفحہ 1 روحانی خزائن جلد 23 مطبوعہ لندن 1984ء)

آج دنیا کے سب آئین اور معاہدے اور عالمی ادارے انسانیت کے لئے انسانی حقوق۔رواداری۔تحفظ اور امن کا ماحول پیدا کرنے سے عاجز آ چکے ہیں۔اور آج یہ نعمتیں انسانیت کو صرف اور صرف محسنِ انسانیت حضرت رسول کریم ﷺ کے بنائے ہوئے منشور اور اصولوں پر جن کا سرچشمہ میثاق مدینہ ہے خلوص دل کے ساتھ عمل کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔

دنیا میں مظلوم انسانیت کو سہارا دینے اور ان کے بنیادی حقوق اُستوار کرنے اور امن، عدل اور احسان کا معاشرہ قائم کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو سونپی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم حضرت رسول کریم ﷺ کے قائم فرمودہ اصولوں اور آپ کی پاک سیرت کو اپنائیں اور پھیلائیں اور آپ کے خُلق کو اپنی ذات میں زندہ کر کے دنیا کے سامنے پیش کریں۔ بفضلہٖ تعالیٰ ◎

بقیہ: حضرت حکیم عبدالصمدؓ

سلسلہ احمدیہ سے محبت

بلقیس باجی کے فوت ہونے کے بعد ابا جان نے مطب جان چھوڑ دیا تھا اور گھر پر ہی رہتے تھے اور ہر وقت پُرانے واقعات سناتے تھے کہ کیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مہمانوں کے پاس جا کر انکی خبر گیری کرتے تھے۔جب کوئی آپ سے ملکر واپس جاتا تھا تو آپ اسکو دور تک چھوڑنے جاتے تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاول اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی باتیں بتاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنا۔خلیفہ ثالث اور خلیفہ رابع کا دور بہت سخت ہوگا۔بہت مشکلات ہونگی۔اطاعت امیر پر بہت زور دیتے تھے۔مربیان سلسلہ اور واقفین زندگی کا احترام اور ہر طرح سے خیال رکھنا سب کا فرض سمجھتے تھے۔

ابا جان اپنے دوستوں کا بہت ذکر کرتے تھے خاص کر حضرت میر ناصر نواب صاحب، حضرت میر محمد اسماعیل صاحب۔حضرت میر محمد اسحاق صاحب کا درس حدیث یاد کر کے ان پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔

ابا جان خود تو تہجد کیلئے کافی پہلے اُٹھتے تھے مگر ہم بچوں کو فجر کی نماز سے آدھ پون گھنٹہ قبل اُٹھاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم لوگ چاہے" دو نفل پڑھو یا چار نفل پڑھو مگر مطلب اور معنی سمجھ کر پڑھو"۔ اس کے بعد سب مل کر فجر کی نماز پڑھتے تھے۔پھر قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور حدیث اور ملفوظات ہم سے پڑھوا کر سنتے۔اسی طرح مغرب کی نماز کے بعد کشتی نوح اور دیگر کتب ہم سے پڑھوا کر سنتے۔دعوت الی اللہ کا بہت شوق تھا۔آپ کی تبلیغ سے ایک بڑی تعداد ہیں لوگ احمدیت میں داخل ہوئے۔ابا جان کے ایک پڑوسی تحصیل دار اور اُن کی اہلیہ بھی احمدی ہوئیں۔ نیز ابا جان کے خاندان کے مندرجہ ذیل افراد نے بھی بیعت کی توفیق پائی:

چچا جان حکیم عبدالقدوس، خالو قمر الدین، امی کے ماموں سید الطاف حسین اور ہمارے دادا جان حکیم محمد عبدالغنی نے 98 سال کی عمر میں قادیان میں بیعت کی۔

حضرت حکیم عبدالصمد صاحبؓ موصی تھے اور وصیت نمبر 5803 تھا۔چنانچہ وفات کے بعد بہشتی مقبرہ کے قطعہ صحابہ میں آپ کی تدفین ہوئی۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور آپکی نسل کو آپکی نیک اور صالح روایات زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر ہی ایمان لے آئے

حضرت حکیم عبدالصمد صاحب دہلوی

(مبارکہ مسعود)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے کئی بار فرمایا کہ لوگ اپنے بزرگوں کے قبول احمدیت اور زندگی کے حالات قلمبند کریں۔ میرے دل میں تحریک پیدا ہوئی اور میں نے جن واقعات کو اپنے ابا جان اور چچا حکیم عبدالقدوس صاحب سے سنا مختصر تحریر کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

والد محترم کا نام تھا حکیم عبدالصمد ولد حکیم محمد عبدالغنی صاحب ولد حکیم محمد بلاقی مہتمم شاہی دواخانہ قلعہ دہلی۔ آپ دہلی میں پیدا ہوئے۔ مسلک اہل حدیث تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور بعد میں کئی مدارس اور علما کرام سے حاصل کی۔ تعلیمی اغراض کی وجہ سے بیشتر وقت مدارس اور بیوت الذکر میں گزارتے تھے۔

ایک دن تفسیر جلالین پڑھتے پڑھتے رات کے دو بج گئے۔ دادا جان کی آنکھ کھل گئی، انہوں نے جاگنے کا سبب پوچھا تو ابا جان نے کہا جلالین میں اس آیت "یٰعیسیٰ انی متوفیک" کا مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ دادا جان نے کہا میاں استاد کس لئے ہوتا ہے صبح مدرسے جاؤ گے تو مولوی صاحب سے معلوم کر لینا۔ صبح کو مولوی صاحب سے دریافت کیا تو وہ کہنے لگے میاں شروع سے لے کر آج تک سب کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ ہیں تم اس بحث میں مت پڑو اور آگے پڑھو۔ ابا جان نے کہا جب تک یہ میری سمجھ میں نہیں آئے گا آگے کس طرح پڑھ سکتا ہوں۔ مولوی صاحب نے دادا جان سے شکایت کی کہ عبدالصمد پڑھتا نہیں ہے۔

دادا جان نے کہا ویسے تو یہ شاگرد اور استاد کا معاملہ ہے مگر پھر بھی آپ اسکے سوالوں کا جواب دیں۔ ان مولوی صاحب سے مسئلہ حل نہ ہوا۔ پھر ابا جان اپنے دوسرے استاد مولوی محمد اسحاق متقی کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی پہلے استاد والا جواب دیا۔ غصہ میں آ کر کہنے لگے ایک تم ہو اور دوسرا مرزا ہے، جس کو اسے قسم کا جنون ہے۔ یہ سن کر ابا جان کو کچھ تقویت ہوئی کہ کوئی اور بھی ہے مگر تسلی نہ ہوئی اور آخر وہ اپنے ایک اور استاد مولوی عبدالوہاب کے پاس گئے اور سوال دہرایا۔ مولوی صاحب نے کہا میاں اب تو مہدویت کا ایک دعویدار بھی پیدا ہو گیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں اور میں وہی مسیح موعود ہوں جسکا سب کو انتظار ہے۔ اسکا نام مرزا غلام احمد ہے۔ یہ سن کر ابا جان کا اشتیاق بڑھ گیا اور قرآن اور حدیث پڑھنے میں لذت اور سکون آنے لگا۔

واقعہ بیعت

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دہلی تشریف لائے۔ آپ خالی جگہ دیکھ کر آگے بڑھے اور جیسے ہی نظر حضرت مرزا صاحب کے چہرے پر پڑی تو سارے جسم پر لرزا سا طاری ہو گیا اور آپ کے دل نے کہا یہ شکل جھوٹوں کی نہیں اور اسے وقت ایمان لے آئے۔ جب آپ نے بیعت کی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا "کہو میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" اسوقت ایک لمحے کیلئے ابا جان رُک کے، دل بہت شدت سے دھڑک رہا تھا۔ پھر سوچ کر کہا جی ہاں میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ آپ نے اس عہد کو آخرے دم تک نبھایا۔

مخالفت کا دور اور نصرتِ الٰہی

بیعت کرنے کے بعد مخالفت کا طوفان کھڑا ہو گیا والدین نے بات کرنا بند کر دی۔ آپ کو جس چیز کی ضرورت ہوتی پرچہ لکھ کر میز پر رکھ دیتے تھے۔ طالبعلمی کا زمانہ تھا۔ ایک پُرانی خادمہ تھی کھانے وغیرہ کا خیال وہ رکھتی تھی۔ اگر کھانا رکھا ہوا مل جاتا تو کھا لیتے تھے ورنہ تھوڑی سی چنے کی دال بھگو دیتے تھے صبح کو کھا لیتے تھے۔ اور عام مسلمانوں کی مسجد میں چلے جاتے تھے۔ اسطرح آپ نے پورا سال گزرا۔ اکثر روزہ رکھتے تھے۔ ایک دن مسجد میں وضو کر رہے تھے آپ نے دیکھا مسجد میں آگ لگ گئی ہے شعلے چھت تک بلند ہو رہے ہیں۔ آپ نے شور مچایا کہ آگ لگ گئی بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور پوچھا میاں کہاں ہے آپ نے کہا وہ دیکھو اور جلدی پانی ڈالو۔ مؤذن کا کہنا تھا کہ ایک لمحہ کیلئے مجھے بھی آگ نظر آئی۔ اسی مسجد سے سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت شروع ہوئی تھی۔ دراصل یہ آگ کشفی رنگ میں دکھائی جو کہ احمدیت کی مخالفت کی آگ تھی۔

احمدیت قبول کرنے کے بعد آپ کو کئی بار زہر دیا گیا۔ آپ کے رشتہ داروں نے آپ کی دعوت کی اور میٹھے میں زہر ملا دیا۔ جب ابا جان کھانے کیلئے بیٹھے تو آواز آئی مت کھاؤ، لیکن گھر والے بار بار اصرار کرتے تھے حکیم جی میٹھا لیجئے۔ اس وقت ایک غیبی اور ہیبت آواز آتی تھی مت کھاؤ۔ آپ نے گھر والوں کا دل رکھنے کیلئے ایک چمچہ کھا لیا۔ غیبی آواز بہت غصہ میں تبدیل ہو گئی "تم کو کتنی دفعہ منع کیا مت کھاؤ مت کھاؤ۔" آپ اسی وقت گھر آ گئے اور چچا جان کو صرف اتنا بتا سکے کہ مجھے فلاں شیشی سے دوا دینا۔ یہ کہہ کر آپ بے ہوش ہو گئے۔ چچا جان فوراً سمجھ گئے کہ بھائی کو زہر دیا گیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر بار اپنے فضل سے بچا لیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آ کر کہا حکیم صاحب جلدی چلیں مریض کی حالت بہت خراب ہے۔ آپ اسی وقت مطب سے اُٹھے اور بیمار کو دیکھنے چلے گئے۔ جیسے ہی دروازے پر پہنچے تو انہیں محسوس ہوا کہ اندر نہیں جانا چاہیئے۔ مگر چونکہ حکیم تھے انکا کام ہی مریض کو دیکھنا تھا اللہ کا نام لیکر گھر میں داخل ہو گئے۔ دیکھتے کیا ہیں دو لمبے تڑنگے آدمی قدموں میں گر گئے۔ گھر میں بالکل اندھیرا کیا ہوا تھا۔ آپ نے کہا

روشنی تو کرو لالٹین لاؤ، بھلے آدمی تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔اس پر ان دونوں نے کہا ان لوگوں نے ہمیں لالچ دیا تھا کہ آج حکیم صاحب کا کام تمام کردو تم کو اتنی رقم دیں گے۔لیکن آپ کو دیکھتے ہی ہمارے ہاتھ سے ہتھیار گر گئے اور ہماری حالت غیر ہوگئی آپ ہمیں معاف کردیں۔

جس جگہ ابا جان اور چچا جان کے گھوڑے باندھے جاتے تھے اس کی چھت گھاس پھونس کی تھی۔اس میں مخالفین اکثر آگ لگا دیتے تھے لیکن وہ آگ سلگ سلگ کر خود ہی ختم ہو جاتی تھی۔

قبولیت دعا

ہمارے رشتہ داروں کے ہاں ایک شادی تھی۔خالہ جان نے اپنا ہار میز پر رکھا اور نہانے چلی گئیں۔واپس آ کر دیکھا تو ہار غائب تھا۔بہت پریشان ہوئیں سب سے پوچھا لیکن جب نہیں ملا تو ابا جان کے پاس گئیں اور کہا بھائی میرا قیمتی ہار گم ہو گیا ہے آپ دعا کریں۔ابا جان نے دعا کی تو آواز آئی بیٹھک بیٹھک، کچھ سمجھ میں نہیں آیا آپ نے پھر دعا کی کہ میرے مولا مجھے صاف صاف بتا دے کہ ہار کہاں ہے۔تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی نواز نواز۔ہم اُٹھ بیٹھے پھر دونوں لفظوں کو جوڑا اور سوچا کہ نواز کا پلنگ بیٹھک میں ہے وہاں دیکھنا چاہئے پھر ہم ایک عزیز کو لے کر بیٹھک میں گئے نواز کے پلنگ کو کھڑا کیا اور چھڑی زور سے مار کر اس کو جھاڑا تو بالشت بھر کی تھیلی گری اسکو کھول کر دیکھا تو یہ وہی ہار تھا جو گم ہو گیا تھا۔آپ نے جو عزیز ساتھ تھے ان کو منع کیا کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا اور صبح کو خالہ جان کو بلا کر وہ ہار دیا اور کہا کہ ایسی جگہ جہاں پر سب لوگ ہوں اپنی چیز کی حفاظت خود کرنی چاہئے غریب کو امتحان میں نہیں ڈالنا چاہئے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ابا جان اسطرح بیان کرتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ تھا اور ہم روزہ سے تھے۔ایک مریض کو دیکھنے کافی دور دوسرے گاؤں جانا پڑا وہاں سے واپسی پر رات ہوگئی اور افطاری نہیں ملی اور دوسرے مریضوں کو دیکھتے دیکھتے رات ہوگئی (کیونکہ مریض ہندو تھے آپ انکے ہاں کھانا نہیں کھاتے تھے۔لیکن جب نماز پڑھتے تو ہندو اس بات کا خیال رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ حکیم جی عبادت کر رہے ہیں تو کوئی شور نہیں کریگا)۔

واپسی پر آٹھ پہر کے روزہ کے بعد آپکو کمزوری محسوس ہوئی اور آپ لیٹ گئے تو آنکھ لگ گئی لیکن کھانے کی خوشبو محسوس ہوئی۔آنکھ کھول کر دیکھا تو ایک تھال میں پلاؤ تھا۔ادھر اُدھر جنگل میں دیکھا کوئی شخص موجود نہیں تھا۔آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور پیٹ بھر کر کھالیا۔وہ تھال درخت پر ٹانگ دیا۔بعد میں کئی دفعہ ابا جان، چچا جان اور دیگر لوگوں نے دیکھا وہ تھال وہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے کھانا کھلایا

ایک اور اسی قسم کا واقعہ رمضان کے مہینہ میں پیش آیا۔یہ بھی آٹھ پہر کا روزہ تھا۔نقاہت کی وجہ سے ابا جان لیٹ گئے،خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص گرم گرم روٹیاں اور بُھنا ہوا گوشت لایا ہے۔آپ نے خواب ہی میں کھانا کھایا اور جب آنکھ کھلی تو جسم میں طاقت اور توانائی ایسی ہی تھی کہ گویا کھانا کھایا ہوا ہے اور گھر آ گئے۔اس پر ہم لوگ حیرت سے پوچھتے تھے کہ خواب میں کھانے سے بھی پیٹ بھر جاتا ہے؟ اس پر میری چھوٹی بہن مریم صدیقہ نے پوچھا کہ ابا جان دعا کیسے قبول ہوتی ہے، ابا جان نے کہا رزق حلال کھاؤ، دل میں خوف ہو، اللہ تعالیٰ پر توکل، پاک صاف رہو اور ہمیشہ سچ بولو۔

ابا جان سود خوروں سے جو فیس وغیرہ لیتے تھے وہ گھر میں خرچ نہیں کرتے تھے بلکہ اس رقم کو غرباء میں تقسیم کر دیتے تھے۔

دہلی سے کراچی ہجرت

تقسیم ہند کے بعد ابا جان خاندان کے 12 افراد کے ساتھ لاہور آ گئے جہاں جو دھامل بلڈنگ میں ٹھہرایا گیا۔کچھ دن قیام کیا۔لاہور میں دل نہیں لگا تو وہاں سے پنڈی چلے گئے۔لاہور اور پنڈی دونوں جگہ سامان سے بھرے ہوئے مکان دلوائے گئے لیکن ابا جان نے کہا جیسے میرا دل اپنا بھرا ہوا گھر چھوڑنے سے دُکھا ہے ایسے ہی دوسروں کا دل بھی دُکھا ہوگا۔میں کس طرح کسی کا بھرا ہوا گھر لے لوں۔مجھے صرف خالی مکان اور خالی دکان چاہئے۔پنڈی میں بھی دل نہ لگا پھر آپ نے اپنے بڑے بیٹے عبدالواحد کو کہا، کراچی کا کرایہ معلوم کرو۔بھائی جان نے کہا آپ کسی سے پیسے لیتے بھی نہیں تو کرایہ کہاں سے آئیگا۔ابا جان نے کہا تم معلوم کرو ہم دعا کر رہے ہیں اللہ مالک ہے۔یہ کہہ کر آپ باہر چلے گئے۔راستہ میں ایک صاحب ملے اور انہوں نے بڑی معذرت کیساتھ کچھ رقم پیش کی۔ابا جان نے انکار کر دیا اور کہا اس وقت آپ بھی پریشان ہیں اور ہم سب کی حالت ایک جیسی ہے اور مجھے تو یاد بھی نہیں کہ آپ نے کب علاج کروایا تھا۔ان صاحب نے کہا مجھے تو یاد ہے آپ یہ رقم رکھ لیں آپ کی دعا سے میری حالت اچھی ہے۔اس پر ابا جان نے رقم لے کر جیب میں رکھ لی اور گھر آئے تو بڑی باجی بلقیس جہاں کو دی اور کہا گنو کتنی رقم ہے۔جب رقم گنی گئی تو کراچی کا پورا کرایہ تھا۔

کراچی میں مطب

ابا جان کراچی اس لئے بھی آنا چاہتے تھے کہ وہاں ہماری بڑی بہن نور جہاں صاحبہ اہلیہ مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب رہتی تھیں اور سنا تھا کہ کراچی کا موسم ایسا ہے کہ سردیوں میں ایک کمبل میں گزارہ ہو جاتا ہے۔کچھ دن آپا جان کے ہاں رہے، پھر ابا جان نے کہا بیٹی کے گھر رہنا مناسب نہیں لہٰذا عبدالواحد صاحب کو کہا کہ مکان اور دکان تلاش کرو۔ایک بڑی دکان جس کے ساتھ ایک چھوٹا سا کمرہ بھی تھا مل گئی۔دکان میں ابا جان مریضوں کو دیکھتے تھے اور ہم لوگ چھوٹے کمرے میں رہتے تھے۔رات کو ہم سب مطب میں کرسیاں اوپر نیچے رکھ کر سونے کیلئے جگہ بنا لیتے تھے۔ایک دن ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میرے باپ کی حالت بہت خراب ہے سب حکیم ڈاکٹر جواب دے چکے ہیں۔آپ چل کر دیکھ لیں۔ابا جان گئے تو دیکھا کہ مریض کو چٹائی پر لٹایا ہوا تھا۔ابا جان نے کہا بھلے آدمی ان کو اوپر لٹاؤ۔تو اس ہندو نے کہا کہ یہ چند منٹ یا چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔لوگ تو کہتے ہیں

کہ ان کو چھوڑ کر دہلی چلے جاؤ مگر میرا دل نہیں مانتا کہ زندہ باپ کو کیسے چھوڑ کر چلا جاؤں۔ ابا جان نے دعا کی اور دوا کی ایک چٹکی اس کے منہ میں ڈال دی۔ تھوڑی دیر بعد مریض نے آنکھیں کھولیں اور دو دن بعد سفر کے قابل ہو گیا۔ اس ہندو نے کہا اب میں کیا خدمت کروں؟ ابا جان نے کہا ہمیں اس وقت رہنے کیلئے خالی مکان اور مطب کیلئے خالی دکان چاہیے۔ اس نے کہا دکان تو میرے پاس نہیں ہے مکان ہے جس کو میں بیچ چکا ہوں مگر خریدار کو پیسے واپس کر کے میں مکان آپ کو دے سکتا ہوں اور وہ مکان اس نے ابا جان کو دیدیا۔

اسی طرح ایک دوسرے مریض کے والد بھی بہت بیمار تھے اور سب حکیم ڈاکٹر جواب دے چکے تھے۔ ابا جان انکے ساتھ گئے، مریض کی نبض دیکھی اور دوا دی۔ مریض ٹھیک ہونے لگا تو ان لوگوں نے حیرت سے کہا یہ تو معجزہ ہے مردہ زندہ ہو گیا۔ انہوں نے فیس دینی چاہی لیکن ابا جان نے منع کر دیا اور چل دیئے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ پیسے آپ لیتے نہیں اس کے علاوہ ہم آپکی کیا خدمت کریں تو ابا جان نے کہا کہ مجھے تو صرف ایک خالی دکان مطب کے لئے چاہئے جہاں بیٹھ کر میں مریضوں کو دیکھ سکوں۔ یہ صاحب دہلی سے آئے تھے اور کئی دکانیں بنا کر کرایہ پر دی ہوئی تھیں۔ انہوں نے کہا ایک دکان ابھی ہے وہ آپ بغیر کرایہ کے لے لیں۔ ابا جان نے کہا دوکان کرایہ پر لیں گے۔ معلوم کرنے پر کرایہ 80 روپے بتایا، اس طرح دوکان بھی مل گئی۔ عجیب اللہ کا معجزہ ہے کہ جہاں مکان ملا تھا اس کے بالکل سامنے سڑک کی دوسری طرف دوکان تھی اور مکان کی بالکونی سے صاف نظر آتی تھی۔

غیبی امداد

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مکان اور دکان دیدی تھی۔ انہیں دنوں کی بات ہے کہ گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہ تھا یعنی آٹا، دال، چاول وغیرہ۔ ابا جان دعا کر رہے تھے اور ہم سب بچوں کو بھی دعا کے لئے کہہ رہے تھے اور ہم سب مل کر اجتماعی دعا بھی کرتے تھے۔ بلقیس باجی بہت پریشان تھیں کہ باقی سب لوگ تو کچھ نہ کچھ کھا کر گزارہ کر لیں گے مگر مبارکہ کے لئے کیا ہوگا وہ تو شوربہ کھچڑی کے علاوہ کچھ ہضم نہیں کر سکتی اور بہت ہی کمزور ہے۔ باجی نے ابا جان سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تو ابا جان نے کہا اللہ تعالیٰ مسبب السباب ہے کچھ نہ کچھ ضرور کریگا۔ اس دن تقریباً 11 بجے کے قریب ایک صاحب گھر پر آئے اور انہوں نے ابا جان کو پانچ سو روپے دیئے، اپنی تکلیف بتائی اور کہا میرے لئے دوا بنا دیں ایک ہفتہ بعد آ کر لے لوں گا۔ ابا جان نے کہا ہم پہلے پیسے نہیں لیتے جب ایک ہفتہ کے بعد آپ دوا لینے آئیں گے اس وقت ہم پیسے لے لیں گے۔ مگر اس شخص نے بہت اصرار کے ساتھ کہا آپ رکھ لیں۔ ابا جان نے پیسے رکھ لئے۔ چھوٹے بھائی اس شخص کے پیچھے گئے کہ اسکا نام اور پتہ تو معلوم کریں مگر وہ غائب ہو گیا۔ بلڈنگ کی عورتیں بچوں کی سکول سے واپسی کا انتظار کر رہی تھیں ان سے بھی پوچھا انہوں نے کہا ہم تو یہیں کھڑے ہیں، نہ کوئی آیا نہ گیا اس پر ابا جان نے کہا یہ فرشتہ تھا اور یہ غیبی امداد تھی۔

قبولیتِ دعا کے واقعات

میرے بڑے بھائی عبدالواحد صدیقی کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ ڈاکٹر کہتے تھے کہ بغیر اپریشن کے اولاد نہیں ہو سکتی۔ آخر بھابھی کے چچا اور چچی نے ان کو ہسپتال میں اپریشن کیلئے داخل کر دیا۔ جس دن اپریشن ہونے والا تھا اسوقت بھائی جان نے ابا جان کو دعا کیلئے کہا کہ میں جا رہا ہوں اپریشن ہونے والا ہے۔ تب ابا جان نے کہا کہ تم کو کتنی دفعہ کہا ہے ہم دعا کر رہے ہیں تم بھی دعا کرو۔ میرے مولا کو اگر اولاد دینی ہے اس سے دیگا۔ میں چھوٹی جان کیلئے بڑی جان قربان نہیں کر سکتا۔ بھائی جان اسی وقت بھابھی کو ہسپتال سے گھر لے آئے۔ اس واقعہ کے پورے ایک سال کے بعد لڑکی پیدا ہوئی۔ ابا جان نے سنتے ہی شکر کا سجدہ کیا اور کہا کہ اب انشاءاللہ لڑکا ہوگا اور ایک سال بعد لڑکا ہو گیا۔ یہ دونوں بچے ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں۔ اس لڑکے کے چند ماہ کے بعد ابا جان کا انتقال ہو گیا۔

ابا جان نے وفات کے بعد بھی اپنے بچوں کو خواب میں دعائیں بتائی ہیں۔ آپا جان بیگم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب ہم دو بہنوں اور باسط بھائی کی طرف سے پریشان رہتی تھیں۔ ایک دن آپا جان نے خواب میں دیکھا کہ ابا جان کہہ رہے کہ نور جہاں تم کیوں پریشان ہوتی ہو ہم نے تو اپنا سب کام اللہ کے سپرد کر دیا ہے پھر ابا جان نے کہا پڑھو کہ میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں...... آپا جان کہتی تھیں کہ ابا جان کے ساتھ یہ دعا اتنی دفعہ پڑھی کہ یاد ہو گئی۔ صبح کو جب آنکھ کھلی تو زبان پر جاری تھی اور آپا جان نے اس کو لکھ لیا۔ پھر یہ خواب مولانا عبدالمالک خان صاحب کو سنایا۔ یہ بہت لمبا خواب تھا۔ اس خواب میں بیٹا پیدا ہونے کی بشارت تھی۔ اس وقت ان کی چار لڑکیاں تھیں اور لڑکیوں کی شادیاں قریش خاندانوں میں ہونے کی بشارت تھی۔ پھر لڑکے کے بعد ایک اور لڑکی کی بشارت تھی جو بہت نیک صفات اور بہت مبارک ہوگی۔ مولوی صاحب نہ کہا بہت مبارک خواب ہے اور جو تعبیر انہوں نے دی حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس خواب کے ایک سال بعد لڑکا عبدالباسط ہوا جو ماشاءاللہ صاحب اولاد ہے۔ پھر تین سال بعد لڑکی امتہ الباسط پیدا ہوئی۔ اس وقت بیگ صاحب ریلوے میں ملازم تھے اور ابا جان کے اصرار پر پڑھنا شروع کیا اور وکالت پڑھ رہے تھے کہ ابا جان فوت ہو گئے۔ آپا جان کے خواب کے مطابق چاروں لڑکیوں کی شادی قریش خاندانوں میں ہوئی۔

لڑکی امتہ الباسط جوان ہوئی، اس کی شادی ہوئی، دو بچے ہوئے۔ اس کے بعد اپنڈکس کا اپریشن ہوا جس کے ٹانکوں میں پیپ پڑ گئی تو آپا جان بہت پریشان تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ ابا جان ایک تیل بناتے تھے اس سے آرام آ جاتا تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ کیسے بناتے تھے۔ پھر ابا جان خواب میں آئے اور بتایا کہ پاؤ بھر تیل کو خوب گرم کرو پھر چولہا بند کر کے اس میں دو کھانے کے چمچ رتن جوت ڈال دو۔ پھر چھان کر بوتل میں رکھ لو۔ اس تیل سے لڑکی کا پیپ خشک ہو گیا۔ تجربہ بتاتا ہے کہ اس تیل سے کیسا ہی زخم ہو ٹھیک ہو جاتا ہے۔

باقی صفحہ 19 پر ملاحظہ فرمائیں

اگر رسالہ ''انصارالدین'' کی ترسیل یا دیگر انتظامی امور کے حوالہ سے آپ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں یا کوئی اطلاع دینا چاہتے ہیں تو براہ راست مینیجر محمود علی مرزا صاحب سے فون نمبر 07828858009 پر رابطہ کیجئے۔

انصار ڈائجسٹ

فرخ سلطان محمود

اس کالم میں قارئین کی طرف سے موصول شدہ دلچسپ اور مفید تحریریں شامل اشاعت کی جاتی ہیں۔ قارئین خود لکھ کر یا اپنے زیر مطالعہ کسی کتاب یا رسالہ سے اخذ کرکے ہمیں کچھ بھی بھجوا سکتے ہیں۔ تحریر مختصر اور باحوالہ ہونی چاہئے۔ ہمارا پتہ ہے:
Ansar Digest, 22 Deer Park Road, London SW19 3TL

ایک خوبصورت سبق آموز کہانی

حضرت حکیم اللہ بخش صاحبؓ کی رہائش قادیان کے قریب ہی کے ایک گاؤں میں تھی اور آپؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بعثت سے قبل بھی ملنے والے تھے۔ آپؓ کو دعوت الی اللہ کا بہت شوق تھا اور اسی شوق کی خاطر مختلف دیہات میں جایا کرتے تھے۔ پنجابی زبان کے شاعر تھے اور اس خداداد وصف کو بھی دعوت الی اللہ کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ایک وقت اپنا گاؤں چھوڑ کر قادیان میں ہی آبسے اور کچھ عرصہ حضرت اماں جانؓ کی ڈیوڑھی میں دربان کی خدمت کی سعادت بھی حاصل کی۔ محلّہ دارالبرکات میں اپنا مکان بھی بنانے کی توفیق پائی۔ جب آپؓ نے حضرت مصلح موعودؓ سے مکان کی بنیاد رکھنے کی درخواست کی تو حضورؓ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اس شرط پر آؤں گا کہ آپ مجھے وہ کہانی سنائیں جو حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کو سنائی تھی۔

چنانچہ حضورؓ تشریف لائے اور میدان میں پڑی ہوئی اینٹوں پر بیٹھ گئے۔ حضرت حکیم صاحبؓ نے حسبِ فرمائش یہ کہانی سنائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شہر میں ایک نیک انسان رہتا تھا جو معالج بھی تھا اور اپنی خوبیوں کی وجہ سے ہردلعزیز تھا۔ لیکن اُس کا ایک پڑوسی اُس سے حسد کرنے لگا۔ نیک آدمی نے اپنے پڑوسی کو حسد کی تکلیف سے بچانے کے لئے نقلِ مکانی کر لی اور نئی جگہ جا کر وہاں بھی ویسا ہی مقبول ہوگیا۔ جب اُس کی شہرت اُس حاسد تک پہنچی تو حاسد نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا جو اُسی کی طرح کم ظرف اور حاسد تھی۔ دونوں نے مشورہ کرکے نیک شخص کو ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنایا اور پھر وہ حاسد اُس نیک شخص کے پاس گیا اور بہت اچھی باتیں کرکے اُسے باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ بھی اس کا ہمدرد ہے۔ نیک شخص نے اپنی سادگی اور نیکی کی وجہ سے اُس کی خوب خاطر مدارت کی اور تحفے تحائف دیئے اور اپنے محلات اور باغات کی سیر کروائی۔ ایک دن حاسد نے اُس سے کہا کہ آپ نے مجھے ہر جگہ کی سیر کروادی ہے سوائے باغ کے ایک کونے کی۔ نیک شخص کہنے لگا کہ مجھے جس شخص نے یہ باغ تحفہ میں دیا تھا اُس نے وصیت کی تھی کہ اس کونے میں ایک اندھا کنواں ہے جس میں بھوت رہتے ہیں اس لئے اس طرف کبھی نہ جانا۔ حاسد اصرار کرنے لگا کہ میں تو ضرور وہ کنواں دیکھ کر ہی جاؤں گا۔ چنانچہ اُس کے پیہم اصرار اور جذبہ مہمان نوازی سے مجبور ہوکر نیک آدمی اپنے مہمان کو ادھر لے گیا۔ حاسد نے کنوئیں میں جھانکا اور کہنے لگا کہ اندر کوئی بھوت نہیں ہے آپ بھی دیکھ کر تسلی کرلیں۔ اس نیک شخص نے جیسے ہی کنوئیں میں جھانکا حاسد نے اُسے دھکا دے دیا اور پھر خوش خوش واپس روانہ ہوگیا تاکہ اپنی بیوی کو یہ خبر سنا سکے۔ دوسری طرف نیک انسان کو کنوئیں میں جنوں نے پکڑلیا اور بعض نے کہا کہ اسے قتل کردینا چاہئے مگر بعض دوسروں نے کہا کہ یہ ایک نیک انسان ہے اور دوسروں کے لئے فائدہ مند ہے۔ اور آج تو ملک کے بادشاہ کا قاصد اس کی طرف آرہا ہے کیونکہ بادشاہ اپنی بیٹی کی بیماری کی وجہ سے بہت پریشان ہے۔ کسی نے کہا کہ کیا یہ شہزادی کا علاج کرسکے گا؟۔ اُن کے سردار نے کہا کہ شہزادی کا علاج مشکل نہیں اور یہ تو اپنے گھر کی سفید بلی کے چند بالوں کی دھونی دے کر ہی اس بیمار کی بیماری کو دور کرسکتا ہے...... مشورے کے بعد اس نیک شخص کو عزت و آرام کے ساتھ باہر پہنچادیا گیا۔ پھر جب بادشاہ کا قاصد آیا تو اُس نے شہزادی کا علاج اُسی طریق پر کیا جیسا کہ جنوں کے سردار نے بتایا تھا۔ شہزادی صحتیاب ہوئی تو بادشاہ نے انعام واکرام کے علاوہ شہزادی کی شادی بھی اُسی نیک شخص سے کردی اور بادشاہ کے مرنے کے بعد اُسے تاج وتخت بھی مل گیا۔

حضرت حکیم صاحبؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ کہانی سنا کر فرمایا کہ اللہ بخش تم دیکھو گے کہ حاسد اپنے حسد کی آگ میں جلتے رہیں گے اور ناکامی کا منہ دیکھیں گے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کامیابیوں اور برکتوں سے نوازے گا۔

حضرت چودھری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ

مشہور ادیب، نقاد اور مؤرخ رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں کہ چودھری صاحب اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جسے عام طور پر گمراہ بلکہ کافر کہا جاتا ہے لیکن یہ کافر شخص بغیر شرمائے داڑھی بھی رکھتا ہے اور اقوام متحدہ کے ایوان میں علی الاعلان نماز پڑھتا ہے۔

حضرت چودھری صاحب کی سادگی وانکساری کا ذکر کرتے ہوئے محترمہ شہزادی عابدہ سلطان آف بھوپال اپنا چشم دید واقعہ یوں بیان کرتی ہیں کہ 1954ء میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے نمائندہ وفد میں شامل ہوکر مجھے امریکہ جانے کا موقع ملا تو ہوٹل میں میرا دل نہ لگا اور اجنبیت محسوس ہوئی۔ دو دن بعد خیال آیا کہ اقوام متحدہ کے پاکستانی دفتر کے کسی کمرہ میں سو جایا کروں۔ اسی خیال سے دفتر جاکر خاموشی سے اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا۔ چوتھی منزل کے اوپر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک ٹوٹا پھوٹا سا پلنگ تھا اور ضروریات بھی اچھی طرح مہیا نہ تھیں۔ میں نے کمرہ کی حالت دیکھ کر سوچا کہ شائد یہ چوکیدار کا کمرہ ہوگا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب مجھے بتایا گیا کہ یہ پاکستان کے وزیر خارجہ ظفراللہ خان کا کمرہ ہے۔ مجھے بہت برا لگا کہ یہ کیا ہے، یہ تو ہماری بدنامی کا مسئلہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ ملاقات وغیرہ کہاں کرتے ہیں، بتایا گیا کہ دفتر وغیرہ میں کرلیتے ہیں اور اس کمرہ میں صرف سونے کی غرض سے آتے ہیں۔ اب ظفراللہ خان صاحب سے چونکہ برسوں کی دوستی تھی اور بے حد بے تکلفی تھی لہٰذا پہلی فرصت میں میں نے اُن سے جھگڑا کیا اور کہا کہ اس طرح رہنے سے عار محسوس نہیں ہوتی؟۔

اس پر چودھری صاحب مسکرائے اور کہنے لگے کہ آپ اسے کیا سمجھی ہیں؟ میں نے کہا یہی کہ آپ پیسے بچاتے ہیں! اس پر چودھری صاحب نے جواب دیا کہ میں اپنی ذات پر یومیہ دو ڈالر خرچ کرتا ہوں خواہ وہ ٹیکسی پر خرچ ہو جائیں یا کھانے پر کیونکہ میں سگریٹ اور شراب کا شوق نہیں رکھتا، صبح دوپہر شام کا کھانا یہاں سے مل جاتا ہے، اب ہوٹل میں جا کر کیوں کھاؤں۔ اپنے الاؤنس میں سے دو ڈالر اپنے خرچ کے لئے رکھ کر باقی رقم رفاہی کاموں کے لئے دیدیتا ہوں۔

محترم شیخ اعجاز احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت چودھری صاحب کا حافظہ حیرت انگیز تھا اور آپؓ کی سوانح عمری اس عطیہ الٰہی کا بین ثبوت ہے۔ حضرت چودھری صاحبؓ اپنی عملی زندگی کی ابتدا میں بیرسٹری کی پریکٹس کے ساتھ ساتھ دو تین سال تک لاء کالج لاہور میں جز وقتی لیکچرار بھی رہے تھے جہاں میں پڑھا کرتا تھا۔ ہماری کلاس میں ڈیڑھ دو سو طالبعلم تھے اور چونکہ امتحان میں شمولیت کے لئے مقررہ تعداد میں کلاس میں حاضری ضروری تھی اس لئے طلبہ لیکچروں سے غیر حاضر ہونے کے باوجود اپنی حاضری لگوانے کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے۔ دوسرے اساتذہ کے لیکچروں میں حاضری لگوانے میں کوئی دشواری نہ ہوتی اور زید کی جگہ اُس کا دوست بکر Present کہہ دیا کرتا لیکن چودھری صاحب کی کلاس میں ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہر ایک کی آواز پہچانتے ہوں۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس ابتدا میں نیویارک سے کچھ میل باہر ہوتے تھے۔ جب چودھری صاحب اجلاس کیلئے جاتے تو آپ کا قیام نیویارک میں ہوتا۔ پاکستانی مشن کی موٹر کا ڈرائیور ایک حبشی ایلمو نامی تھا۔ ایک روز جب اُس نے ایک غلط موڑ مُڑا تو چودھری صاحب نے اُس کو غلطی کی طرف توجہ دلائی۔ وہ نیویارک کا رہنے والا اور عرصہ سے وہاں ڈرائیونگ کرنے والا، بھلا راستوں کی ناواقفیت کو کیسے تسلیم کرلیتا۔ بڑے فخر سے کہنے لگا: "Mr. Minister I know my job". لیکن کچھ ہی دُور جا کر جب اُسے غلطی کا احساس ہوا تو اُس نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے معذرت کی۔

چودھری صاحب کو وقت کی پابندی کا بہت خیال تھا۔ دہلی میں قیام کے دوران آپؓ نے کسی معاملہ پر غور کرنے کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا ایک رُکن میں بھی تھا۔ سردیوں کے دن تھے اور مجھے پرانی دہلی سے نئی دہلی آنا پڑتا تھا۔ چودھری صاحب نے صبح آٹھ بجے کا وقت مقرر کیا۔ میں نے ذرا تاخیر سے وقت مقرر کروانے کے خیال سے پوچھا ''کیا یہ وقت تبدیل نہیں ہوسکتا؟'' فرمایا کیوں نہیں ہوسکتا۔ اور صبح سات بجے کا وقت مقرر کر دیا۔ مرتا کیا نہ کرتا صبح سات بجے آنا پڑا۔

چودھری صاحبؓ کو جوانی میں ہی ذیابیطس کا مرض لاحق ہوگیا تھا لیکن آخری ڈیڑھ سال کے علاوہ اُن کی صحت قابل رشک تھی۔ 90 سال تک وہ پوری طرح چاق و چوبند رہے۔ 1963ء میں جب میں عالمی ادارہ خوراک و زراعت سے متعلق تھا تو ایک کانفرنس کے سلسلہ میں واشنگٹن جانے کا اتفاق ہوا۔ کانفرنس کے اختتام پر کچھ چھٹی لے کر نیویارک گیا اور چودھری صاحب کے ہاں ٹھہرا جن کی رہائش پاکستان مشن سے دو تین میل کے فاصلہ پر ایک اپارٹمنٹ میں تھی۔ آپؓ روزانہ پارک میں دو میل سیر کرتے ہوئے پیدل دفتر جاتے تھے۔ ناچار مجھے بھی پیدل چلنا پڑا۔ اُنہیں تیز سیر کرنا ہوتی تھی اور یہ میرے لئے دوہری مصیبت تھی۔ مشن کے دفتر میں اُن کا کمرہ تیسری منزل پر تھا۔ جب پہلے دن ہم مشن پہنچے تو انہوں نے سیڑھیوں کا رُخ کیا۔ میں پہلے ہی ہانپتے کانپتے پہنچا تھا۔ اُن کو سیڑھیوں کی طرف جاتے دیکھ کر پوچھا اس عمارت میں کوئی لفٹ نہیں؟۔ ہنس کر فرمایا ''یہاں ہے اس کونے میں، بوڑھوں کے لئے تم اس میں آجاؤ''۔

جناب مسرت حسین زبیری ایک CSP افسر تھے جو متحدہ ہندوستان اور پھر پاکستان میں ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ 1971ء میں RCD تنظیم کے جنرل سیکرٹری کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ آپ اپنی خودنوشت سوانح عمری میں 1935ء یا 1936ء کا ایک واقعہ لکھتے ہیں جب آپ کی ملاقات لندن میں سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا سر سیموئیل ہور سے ہوئی اور ان کے استفسار پر آپ نے بتایا کہ آپ کی بطور سول سرونٹ تعیناتی پنجاب میں ہوئی ہے۔ یہ سن کر سر سیموئیل نے کہا ''تم بڑے خوش قسمت ہو'' ..... وجہ دریافت کرنے پر وہ کہنے لگے ''کیونکہ سر ظفر اللہ خان اس صوبے سے تعلق رکھتے ہیں''۔ پھر کہنے لگے ''تم جانتے ہو نا کہ سر ظفر اللہ گول میز کانفرنس کے سلسلہ میں یہاں آتے رہے ہیں......''۔

جناب زبیری کہتے ہیں کہ ان کی اس بات پر میرا ردّعمل کوئی زیادہ خوش خلقی کا نہیں تھا میں نے کہا ''گول میز کانفرنس میں تو ان سے زیادہ مشہور اور تجربہ کار لوگ بھی تھے مثلاً سر تیج بہادر سپرو، مسٹر جناح، سر سرینواس شاستری، .....'' اس پر سر سیموئیل نے آپ کی بات درمیان میں کاٹتے ہوئے کہا ''ویسے تو آغا خان بھی تھے مگر کسی نے کانفرنس کو اتنے بھرپور طریق سے متاثر نہیں کیا تھا جس طرح کہ سر ظفر اللہ نے کیا تھا''۔

حضرت صوبیدار غلام حسین صاحبؓ

حضرت صوبیدار غلام حسین صاحبؓ ولد شرف دین صاحب کو بوچھال کلاں (ضلع چکوال) کا پہلا احمدی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آپؓ نے فوج کی ملازمت کے دوران جہلم چھاؤنی میں قریباً 1899ء میں بیعت کی۔ اردو، فارسی اور انگریزی میں مہارت رکھتے تھے، عالم باعمل اور صاحب کشوف تھے۔ جنگ عظیم اوّل کے دوران اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلامتی کی بشارت دی تھی۔ اپنے کام میں مہارت اور اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی وجہ سے آپؓ کا خوب رعب تھا۔ جنگ کے دوران جب ہر قسم کے اخبارات فوج میں جانا بند ہوگئے تو بھی اخبار ''الفضل'' آپؓ کو ملتا رہا۔ آپؓ حاضر جواب مناظر تھے اور مدمقابل خواہ کسی بھی مذہب کا ہو آپؓ کے دلائل کے سامنے خاموش ہو جاتا۔ ''ریویو آف ریلجنز'' میں گاہے گاہے آپؓ کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ آپؓ ہر مالی تحریک پر لبیک کہتے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد جب پرنس آف ویلز جارج پنجم نے دہلی میں دربار لگایا تو حضرت مصلح موعودؓ نے کتاب ''تحفہ شہزادہ ویلز'' تصنیف فرمائی اور نہایت اعلیٰ کاغذ پر چھپوا کر ایک وفد کے ذریعہ دہلی بھجوائی۔ اس وفد میں حضرت صوبیدار صاحبؓ کو شامل ہونے کا فخر حاصل تھا۔

آپؓ کی دعوت پر کئی لوگ احمدیت کی آغوش میں آئے۔ آپؓ کی راست گوئی کی تعریف آپؓ کے افسران نے بھی کی۔ عمر کے آخری حصہ میں آپؓ ساہیوال میں کچھ زمین حاصل کر کے وہاں رہنے لگے اور وہیں وفات پا کر مدفون ہوئے۔ آپؓ موصی تھے اس لئے بہشتی مقبرہ قادیان میں آپؓ کے نام کا کتبہ نصب ہے۔